عمران سیریز
مظہر کلیم
ایم۔اے
گنجا بھکاری

کی وجہ سے نہ صرف اُن مجرموں کو ان کے ناپاک ارادوں میں ناکام بنا دیتا ہے بلکہ وہ جواب میں ایسا راستہ تلاش کر لیتا ہے کہ آخر کار مجرم منہ دیکھتے رہ جاتے ہیں۔

موجودہ ناول ایسے ہی انوکھے طرزِ جرم کی کہانی ہے۔ انتہائی منفرد اور انتہائی حیرت انگیز طریقہ واردات پر مشتمل کہ انسانی ذہن بوکھلا اٹھتا ہے۔ مگر جب مقابلے میں عمران ہو تو ظاہر ہے چوٹ مقابلے کی ہوتی ہے اور کہانی میں اسرار اور تجسس کی فراوانی کچھ اس حد تک بڑھ جاتی ہے کہ پڑھنے والا پہلے لفظ سے لیکر آخری لفظ تک پڑھتے ہوئے سانس لینا بھی بھول جاتا ہے۔

مجھے یقین ہے کہ ناول "گنجا بھکاری" آپ مدتوں فراموش نہ کر سکیں گے۔

والسلام

مظہر کلیم ایم۔اے

عمران ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ سلیمان نے اُسے بُری طرح جھنجوڑ دیا تھا۔

"کیا بات ہے"۔۔۔؟ عمران نے قدرے پریشانی اور حیرت سے پوچھا۔

"جناب ۔ صاحب!"۔۔۔ اور پھر سلیمان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔

عمران ایک لمحے کے لیے سکتے میں آگیا۔ اُسے خیال گزرا کہ کہیں سلیمان کوئی شرارت نہ کر رہا ہو۔ مگر دوسرے لمحے اس نے یہ خیال ترک کر دیا کیونکہ رات کے دو بجے سلیمان عمران کو اس طرح جھنجوڑ کر اٹھانے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ دوسرا وہ بے اختیار رو رہا تھا۔ یہ کم از کم عمران کے نزدیک اداکاری نہیں ہو سکتی تھی۔

"کیا ہوا۔۔۔؟ کیا بات ہوگئی، کچھ بتاؤ تو سہی"۔۔۔؟ عمران نے بے اختیار پوچھا۔

"جناب ہم لٹ گئے جناب"۔۔۔ سلیمان نے بے اختیار نکلتی ہوئی سسکیوں کے درمیان بڑی مشکل سے جواب دیا۔

"ارے کیا ہوا۔۔۔؟ کیا چوری ہوگئی ہے"۔۔۔؟ عمران کا لہجہ اب تلخ ہوگیا۔ خواہ مخواہ سسپنس پیدا کرنے کی کوشش کر رہے ہو۔ جلدی بتاؤ کیا بات ہے"۔۔۔؟

"بڑے صاحب کا انتقال ہوگیا ہے"۔۔۔ سلیمان نے رک رک کر بات مکمل کی۔

عمران ایک منٹ تک تو سمجھ نہ سکا۔ مگر دوسرے لمحے اُسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کے سر پر بم پھٹ پڑا ہو۔

"کک ۔۔۔ کیا اباجان" ۔۔۔۔ ؟ عمران سے فقرہ مکمل نہ ہوسکا۔ یہ وہی عمران تھا جو دنیا کے بڑے سے بڑے غم کو مسکرا کر ٹال دیا کرتا تھا۔ ہکلا کر [illegible] اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹی ہوئی تھیں اور منہ کھلے کا کھلا رہ گیا تھا۔

"جی ہاں ! ۔۔۔ ابھی ابھی کوٹھی سے ٹیلیفون آیا ہے کہ بڑے صاحب حرکت قلب بند ہوجانے سے انتقال کر گئے ہیں" ۔۔۔۔ سلیمان نے جواب قدرے سنبھل گیا تھا تفصیل سے بتلایا۔

"اباجان" ۔۔۔۔ عمران نے بمشکل اتنا کہا اور پھر سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ ایک لمحے تک وہ سر پکڑے بیٹھا رہا۔ دوسرے لمحے وہ چونک کر اٹھا اور پھر بغیر کپڑے تبدیل کئے صرف سلیپنگ گاؤن پہن کر تیزی سے سیڑھیاں اترتا چلا گیا۔ چند لمحے بعد اس کی کار اپنی پوری رفتار سے کوٹھی کی طرف اڑی چلی جارہی تھی۔ جلد ہی وہ کوٹھی کے پھاٹک پر جا پہنچا۔

کوٹھی کا پھاٹک کھلا ہوا تھا۔ عمران کار سیدھی پورچ کی طرف لیتا چلا گیا۔ کوٹھی کی بتیاں روشن تھیں اور کوٹھی پر گہرا سکوت طاری تھا۔ وہ تیزی سے کار سے اترا اور پھر بغیر کار کا دروازہ بند کئے بھاگتا ہوا اندر چلا گیا۔ ہال میں داخل ہوتے ہی وہ ایک جھٹکے سے رک گیا۔ وہاں ملازموں کے علاوہ ڈاکٹر بھی کھڑا نظر آیا۔ درمیان میں اُسے اپنی والدہ اور ثریا نظر آئیں جو دونوں بے ہوش پڑی تھیں اور ڈاکٹر ثریا کی نبض تھامے کھڑا تھا۔ ہال میں گہرا سکوت تھا۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے کسی انجانی قوت نے سب کو بُت کی شکل میں تبدیل کردیا ہو۔

عمران کے رُکتے ہی سب چونک کر مڑے اور پھر دو ملازم عمران کو دیکھ کر بے اختیار اس کی طرف بڑھے۔ مگر عمران ان کی پرواہ کئے بغیر مشینی انداز میں قدم بڑھاتا ہوا والدہ کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ ڈاکٹر ایک طرف ہٹ گیا۔ عمران ایک لمحے کے لیے بغور والدہ اور ثریا کی طرف دیکھتا رہا۔ اور پھر قریب موجود ڈاکٹر کی طرف مڑ گیا۔ اب وہ حیرت انگیز طور پر سنبھل

گیا تھا۔ اچانک خبر سے پیدا ہونے والے اعصاب شکن صدمے کی گرفت سے وہ نکل آیا تھا۔

"فاروقی صاحب! یہ سب کیسے ہوا" ۔۔۔۔ ؟ عمران نے قدرے گلوگیر آواز میں اپنے خاندانی ڈاکٹر فاروقی سے پوچھا۔

"بیٹا مجھے افسوس ہے ۔۔۔ لیکن خدا کی قدرت میں کسے دخل ہے۔ تقریباً آدھ گھنٹہ پہلے مجھے ثریا کا ٹیلیفون ملا کہ اباجان کی طبیعت سخت خراب ہے۔ فوراً آیئے ۔۔۔ میں فوراً پہنچا۔ مگر جب یہاں پہنچا تو رحمان صاحب انتقال کر چکے تھے اور آپ کی والدہ اور ثریا دونوں بے ہوش تھیں"۔

"اب ان کی کیا پوزیشن ہے" ۔۔۔۔ ؟ عمران نے پوچھا۔

"خطرے والی کوئی بات نہیں ۔۔۔ اچانک صدمے سے بیہوش ہوگئی ہیں ۔۔۔ میں نے انجکشن لگا دیئے ہیں۔ تھوڑی دیر میں ہوش میں آجائیں گی"۔

"اباجان" ۔۔۔۔ ؟ عمران نے سوالیہ نظروں سے ڈاکٹر کی طرف دیکھا۔

"میرے ساتھ آیئے" ۔۔۔ ڈاکٹر نے کہا اور آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا دوسرے کمرے کی طرف مڑ گیا۔ عمران اس کے پیچھے تھا۔

یہ کمرہ رحمان صاحب کی خواب گاہ تھا۔ پلنگ پر رحمان صاحب چت لیٹے ہوئے تھے اور ان کی لاش سفید کپڑے سے ڈھکی ہوئی تھی۔ ڈاکٹر فاروقی نے رحمان صاحب کے چہرے سے کپڑا ہٹا دیا۔ رحمان صاحب کی آنکھیں بند تھیں چہرے پر گہرا سکون طاری تھا۔

"اباجان" ۔۔۔۔ عمران کے منہ سے بے اختیار نکلا اور دوسرے لمحے وہ رحمان صاحب کی لاش پر سر رکھے بچوں کی طرح رو رہا تھا۔ آنسو اس کی آنکھوں سے بے اختیار ابل رہے تھے۔

ڈاکٹر فاروقی نے شفقت سے عمران کے سر پر ہاتھ رکھا اور عمران کو کندھے سے

پکڑ کر اٹھالیا۔ انہوں نے رحمان صاحب کا چہرہ دوبارہ کپڑے سے ڈھانپ دیا اور پھر عمران کو سہارا دیکر کمرے سے باہر لے آئے۔ رونے سے عمران کا غم کچھ ہلکا ہوگیا تھا۔ اور پھر اُسے اپنی پوزیشن کا بھی احساس تھا۔ والدہ اور ثریا دونوں بے ہوش تھیں۔ اب اس نے انہیں دلاسہ دینا تھا۔ اگر وہ خود ہی روتا رہا تو ہوسکتا ہے کہ والدہ اُسے روتا دیکھ کر غم برداشت نہ کرسکیں اور یہ دوسرا صدمہ وہ جھیلنے کی اپنے اندر طاقت نہیں رکھتا تھا اس لیے اس نے رومال سے آنسو پونچھ لیے اور آکر والدہ کے سرہانے بیٹھ گیا۔

چند لمحوں بعد ثریا کو ہوش آنے لگا۔ ہوش میں آتے ہی وہ چند لمحے پھٹی پھٹی آنکھوں سے اِدھر اُدھر دیکھتی رہی۔ جیسے اُسے چاروں طرف کچھ بھی نظر نہ آرہا ہو۔ پھر اس کی آنکھیں عمران پر مرکوز ہوگئیں اور دوسرے لمحے وہ اٹھ کر عمران سے لپٹ گئی۔

" بھائی جان ـــ اباجان "ـــ اور ثریا کی آنکھوں سے آنسو طوفانی بارش کی طرح برسنے لگے۔

عمران کی آنکھیں بھی نم آلود ہوگئیں۔ وہ آہستہ آہستہ اپنا ہاتھ روتی ہوئی بہن کے سر پر پھیرنے لگا۔ جیسے اُسے دلاسہ دے رہا ہو۔

" بھائی جان! ـــ خدا کے لیے اباجان کو واپس بلالو ـــ بھائی جان "ـــ ثریا نے روتے روتے کہا اور پھر بے تابی سے سر پٹکنے لگی۔

" ثریا! ـــ صبر سے کام لو ـــ ایسا نہ ہو کہ تمہیں روتا دیکھکر والدہ کو کچھ ہوجائے"۔ عمران نے بہن کو دلاسہ دیتے ہوئے کہا۔ اور ثریا عمران کو چھوڑ کر اپنی بیہوش والدہ سے لپٹ کر چیخنے لگی۔ اور پھر عمران نے اُسے آہستہ سے علیحدہ کرلیا۔ ثریا کی سسکیاں بند نہیں ہورہی تھی۔

عمران پھر والدہ کی طرف متوجہ ہوگیا جنہیں ہوش آرہا تھا۔ اور انہیں ہوش میں آتے دیکھکر ثریا نے بھی اپنی سسکیوں پر قابو پالیا۔ والدہ نے آنکھیں کھولتے ہی عمران کی

طرف دیکھا اور بازو اس کی طرف بڑھا دیئے۔

" عمران تمہارے ڈیڈی"

عمران بے اختیار ہوکر والدہ سے لپٹ گیا۔

" امی "ـــ عمران شدتِ غم سے صرف اتنا کہہ سکا۔ ثریا بھی بے اختیار والدہ سے لپٹ گئی۔ پاس کھڑے ہوئے ملازم بھی یہ منظر دیکھ کر رو رہے تھے۔ ڈاکٹر فاروقی کی آنکھیں بھی نم آلود ہوگئیں سلیمان بھی آگیا تھا۔ اور وہ بھی ایک طرف کھڑا آنسو بہا رہا تھا۔

عمران کی والدہ کی آنکھیں بُری طرح اشکبار تھیں۔ ڈاکٹر نے انہیں روتا دیکھ کر اطمینان کا سانس لیا۔ کیونکہ اب اُسے تسلی تھی کہ حالت خطرناک نہیں ہوگی ورنہ اُسے خطرہ تھا کہ اگر انہوں نے چپ سادھ لی تو یقیناً وہ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھیں گی اس طرف سے مطمئن ہوکر اس نے ہال کمرے میں آکر ٹیلیفون اٹھایا اور سر سلطان کو ٹیلیفون کرنے لگا۔ کیونکہ وہ رحمان صاحب کے انتقال کی اطلاع سر سلطان کو فوری طور پر پہنچانا چاہتا تھا۔

تھوڑی دیر بعد یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی اور تمام اعلیٰ حکام سر رحمان کی کوٹھی پر پہنچ گئے۔

صبح ہوتے ہی اخباروں کے ہاکر گلیوں میں چیخ رہے تھے۔

" انٹیلی جنس کے ڈائریکٹر جنرل سر رحمان حرکتِ قلب بند ہونے سے وفات پاگئے"۔

سر رحمان کو آج ان کے خاندانی قبرستان میں پورے اعزاز کے ساتھ دفنا دیا گیا۔ جنازے میں اعلیٰ حکام سے لیکر انٹیلی جنس کے ادنیٰ ملازم تک موجود تھے۔ صدر مملکت نے بھی عمران سے ٹیلیفون پر تعزیت کی تھی۔ اس کے علاوہ کوٹھی پر تعزیت کرنے والوں کا تانتا بندھا ہوا تھا اور عمران کو سخت وحشت ہو رہی تھی۔ وہ یہاں بے بس ہو کر رہ گیا تھا۔ کچھ کہہ بھی نہیں سکتا تھا۔

آہستہ آہستہ تعزیت کرنے والوں کی تعداد میں کمی آتی گئی اور اب عمران کے پاس سر سلطان اور ٹیم کے ممبران جولیا۔ صفدر۔ کیپٹن شکیل۔ تنویر۔ چوہان، نعمانی، جوزف اور بلیک زیرو رہ گئے تھے۔ بلیک زیرو اپنی اصل شکل میں وہاں موجود تھا۔ ٹیم کے تمام ممبران اُسے عمران کا کوئی دوست وغیرہ سمجھ رہے تھے۔ سر سلطان بھی تھوڑی دیر بعد رخصت ہو گئے۔ اور ان کے رخصت ہوتے ہی عمران نے جوزف سے کہا۔

"جوزف!۔۔۔ دروازہ بند کردو اور اب کسی کو اندر نہ آنے دینا۔" اور جوزف سر ہلا کر ہال سے باہر نکل گیا۔ اس کے چہرے پر گہری اداسی کے بادل چھائے ہوئے تھے۔

ٹیم کے تمام ممبران خاموش بیٹھے ہوئے تھے۔ کیونکہ وہ ایک اجنبی کے سامنے کوئی بات کرنے سے کترا رہے تھے۔ اور وہ اجنبی تھا بلیک زیرو۔ یعنی ایکسٹو۔ جسے ایک نظر دیکھ لینے کی شدید خواہش ہر ممبر کے دل میں موجود تھی۔ بلیک زیرو نے بھی پوزیشن کو محسوس کیا اور پھر اس نے اٹھتے ہوئے عمران سے کہا۔

"اچھا عمران صاحب!۔۔۔ مجھے اجازت دیجئے اور میری طرف سے اپنی والدہ اور ہمشیرہ کو بھی صبر کی تلقین کیجئے"۔۔۔ طاہر نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"شکریہ"۔۔۔ عمران نے کہا اور پھر طاہر عمران سے ہاتھ ملا کر باہر نکل گیا۔

"عمران ہمیں افسوس ہے"۔۔۔ بلیک زیرو کے باہر جاتے ہی جولیا نے پہل کی۔

"کس بات کا"۔۔۔؟ عمران نے سر اٹھا کر حیرت سے پوچھا۔ عمران اب پوری طرح سنبھل چکا تھا۔ اور صبح سے سوگوار بیٹھے بیٹھے وہ بور ہو گیا تھا۔ اس کی طبیعت ایسی تھی کہ وہ زیادہ دیر تک سنجیدہ نہیں رہ سکتا تھا۔ اب اس کی شوخی دوبارہ لوٹ آئی تھی۔

"آپ کے والد صاحب کے انتقال فرمانے کا"۔۔۔ جولیا نے حیرت سے بھرپور لہجے میں کہا۔

"اس میں آپ کو کس بات کا افسوس ہونے لگا۔۔۔؟ والد میرے فوت ہوئے ہیں اور افسوس آپ کو ہونے لگا ہے"۔۔۔ عمران نے قدرے سنجیدگی سے کہا۔

جولیا ہکا بکا رہ گئی۔ باقی ممبران بھی حیرت سے عمران کی طرف دیکھ رہے تھے۔ سب کے ذہنوں میں ایک ہی سوال گونجا کہ کیا عمران اپنا دماغی توازن تو نہیں کھو بیٹھا اور اگر ایسا ہے تو یہ رحمان صاحب کی وفات سے بھی بڑا المیہ ہے۔

"ارے تم سب کو سانپ کیوں سونگھ گیا ہے"۔۔۔؟ عمران نے ان سب کو یوں آنکھیں پھاڑے خاموش دیکھ کر کہا۔

"ہم تمہارے والد کی وفات کا افسوس کرنے آئے ہیں"۔۔۔ صفدر نے سکوت توڑا۔

"اس کا تو مجھے پتہ ہے۔۔۔ اب میرا دماغ تو خراب نہیں کہ میں سمجھوں تم اپنی شادی کی اطلاع دینے آئے ہو۔ پھر اس نوحے کا مطلب"۔۔۔؟ عمران نے

ٹیم کو مزاحیہ انداز میں کہا۔

"عمران صاحب" ـــــ تنویر نے کچھ کہنا چاہا۔

"اب آپ کی باری ہے افسوس کرنے کی ـــــ بھئی بہت ہو چکا افسوس۔ میں تنگ آگیا ہوں اس بات سے۔ میں سمجھتا ہوں کہ آئندہ کسی مجرم کو پھانسی دینے سے زیادہ خوفناک سزا اُسے یہ دی جا سکتی ہے کہ اس کے والد کو ختم کر کے اس سے تعزیت کرنے بیٹھ جائیں۔ شام تک وہ یقیناً خودکشی کر لے گا ـــــ بھئی کوئی اور بات کرو۔ بہت ہو چکی تعزیت" ـــــ عمران نے خوش دلی سے کہا۔

"پھر ہمیں اجازت دیجئے" ـــــ کیپٹن شکیل پہلی دفعہ بولا۔

"ارے کیوں ـــ کیا ناراض ہو گئے ہو" ـــ ؟ عمران نے حیرت سے پوچھا۔

"نہیں یہ بات نہیں ـــ آپ واقعی تھک گئے ہوں گے اور دوسرے اس وقت کوئی اور بات کرنے کو جی نہیں چاہتا۔ اس لیے ہمیں اجازت دیجئے اور آپ بھی آرام فرمائیں" ـــ کیپٹن شکیل نے جواب دیا اور سب نے تائید کی۔

"اچھا ـــ تمہاری مرضی" ـــ عمران بھی اب واقعی کچھ ریسٹ کرنا چاہتا تھا۔ سب نے ہاتھ ملایا اور چل دیئے۔ اور عمران اندر والدہ اور ہمشیرہ کے پاس چلا گیا۔

رات کا پرہول سناٹا چاروں طرف چھایا ہوا تھا۔ ہر طرف ایک بھیانک خاموشی

مسلط تھی۔ دارالحکومت سے دس میل دور احمد نگر کے ایک کچے مکان کے صحن میں البتہ کچھ چہل پہل محسوس ہو رہی تھی۔ دو تاریک سائے اندھیرے میں اِدھر اُدھر چل پھر رہے تھے۔

"مارٹن" ـــ ایک کرخت آواز اندھیرے میں گونجی۔

"یس باس" ـــ بائیں طرف کے کونے سے منحنی سی آواز نے جواب دیا۔

"سلامو ابھی تک کیوں نہیں آیا" ـــ ؟ دوبارہ وہی کرخت آواز سنائی دی۔

"کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا باس! ـــ اب تک تو انہیں آ جانا چاہیئے تھا" ـــ منحنی آواز والے مارٹن نے جواب دیا۔

"موڑ پر کتنے آدمی موجود ہیں" ـــ ؟ باس نے پوچھا۔

"تین باس"

"ہوں"

اور پھر دوبارہ خاموشی چھا گئی۔ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد باس نے دوبارہ کہا

"مارٹن میں آپریشن روم میں جا رہا ہوں۔ جیسے ہی کیس آئے۔ فوراً میرے پاس لے آنا"۔

"او۔کے باس" ـــ مارٹن نے مودبانہ انداز میں جواب دیا اور پھر ایک سایہ صحن سے ہوتا ہوا اندر تاریکی میں گم ہو گیا۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد مکان سے باہر دبے دبے قدموں کی آواز گونجی اور مارٹن چوکنا ہو گیا۔ چند لمحے بعد دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔

"کون ہے" ـــ ؟ مارٹن نے پوچھا۔

"سلامو" ـــ باہر سے ایک سنجیدہ آواز نے جواب دیا۔

"کوڈ" ـــ ؟ منحنی آواز نے سوال کیا۔

" لاش زندہ ہے" ___ سنجیدہ آواز والے سلامو نے کہا۔ اور پھر دروازہ کھلنے کی آواز آئی اور باہر رکے ہوئے سائے اندر داخل ہو گئے۔

" باس کہاں ہے" ___ ؟ سلامو نے پوچھا۔

" آپریشن روم میں" ___ مارٹن نے جواب دیا۔ اور سلامو نے بغیر کوئی جواب دیئے برآمدے کی طرف قدم بڑھا دیئے۔ اس نے کاندھے پر کوئی بوجھ سا اٹھایا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ آنے والے دو آدمی وہیں رک گئے۔ مارٹن بھی اس کے پیچھے اندر کی طرف لپکا۔

تاریک برآمدے سے ہو کر وہ ایک چھوٹے سے کمرے میں آئے۔ کمرہ بھی تاریک تھا۔ کمرے کے ایک کونے میں دروازہ تھا جس کی دوسری طرف سے روشنی چھن چھن کر ادھر آ رہی تھی۔ سلامو نے ایک ہاتھ سے بوجھ سنبھالا اور دوسرے ہاتھ سے دروازہ کھول دیا۔ یہ ایک بڑا کمرہ تھا جس میں کوڑا کرکٹ اور کاٹھ کباڑ بھرا ہوا تھا۔ گندے برتن میلے چیکٹ کپڑے اور ٹوٹی ہوئی جھلنگا سی چارپائیاں چاروں طرف بکھری پڑی تھیں ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے اس کمرے میں بھکاریوں نے ڈیرہ ڈالا ہوا ہو۔ کمرے میں مٹی کے تیل کا دیا جل رہا تھا جس کی مٹیالی سی روشنی نے کمرے کی گندگی کو اور بھی نمایاں کر دیا تھا۔

سلامو تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا ایک چارپائی کی طرف بڑھا اور پھر اس نے چارپائی کو پکڑ کر زور سے اپنی طرف کھینچ کر چھوڑ دیا۔ سامنے کی دیوار ایک ہلکی سی گڑگڑاہٹ سے ایک طرف ہٹ گئی اور اس میں ایک کافی بڑا خلا نظر آنے لگا۔ سلامو اور مارٹن دونوں اس خلا میں گھس گئے۔ ان کے اندر جاتے ہی دیوار دوبارہ برابر ہو گئی۔ دیوار کی دوسری طرف ایک طویل راہداری تھی جس میں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر برقی بلب جل رہے تھے۔ راہداری ختم ہوتے ہی ایک فولادی دروازہ تھا جو اس وقت بند تھا۔

سلامو نے دروازے کے قریب پہنچ کر اس پر لگا ہوا ایک چھوٹا سا بٹن دو بار دبایا۔ تو بند دروازہ آہستہ آہستہ کھلنے لگا۔ چند لمحوں بعد دروازہ پوری طرح کھل چکا تھا۔ اندر ایک خاصا بڑا ہال تھا جو روشنی میں جگمگا رہا تھا۔ ہال میں مختلف میزیں اس طرح فٹ تھیں جیسے آپریشن روم میں ہوتی ہیں۔ وہیں ایک طرف ایک چوڑے کندھوں والا آدمی کرسی پر بیٹھا تھا۔ اس نے ڈاکٹروں والا سفید گاؤن پہنا ہوا تھا۔ سر پر سفید ٹوپی اور چہرے پر سفید نقاب لگایا ہوا تھا۔ صرف آنکھیں کھلی ہوئی تھیں جن کا رنگ گہرا سرخ تھا اور ایسے لگتا تھا جیسے ان میں سے وقفے وقفے کے بعد چنگاریاں سی پھوٹ رہی ہوں۔

سلامو اور مارٹن دونوں دروازے میں داخل ہو کر رک گئے۔ سلامو ایک دبلا پتلا نوجوان تھا۔ داڑھی بڑھی ہوئی تھی۔ جسم دبلا پتلا ہونے کے باوجود خاصا طاقتور نظر آ رہا تھا۔ اس نے کاندھے پر ایک سفید سی گٹھڑی اٹھا رکھی تھی۔ مارٹن سلامو کے مقابلے میں لحیم شحیم جسامت کا مالک تھا۔ چہرہ انتہائی مکروہ تھا۔ سارے چہرے پر داغ ہی داغ تھے۔ بائیں کان کی لو سے لے کر نیچے گردن تک زخم کا ایک طویل نشان تھا جس نے اس کی بدصورتی میں مزید چار چاند لگا دیئے تھے اور پھر ستم بالائے ستم یہ کہ اتنے لحیم شحیم جسم کے ساتھ آواز بالکل منمنی سی۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے کسی گینڈے کے منہ سے چڑیا کی آواز نکل رہی ہو۔

" لے آئے ہو" ___ ؟ سفید نقاب پوش نے کرخت آواز میں پوچھا۔

" یس باس" ___ سلامو نے مؤدبانہ انداز میں جواب دیا۔

" کوئی رکاوٹ تو پیش نہیں آئی" ___ ؟ باس بولا۔

" نہیں باس! ___ سب کام ٹھیک ٹھاک ہو گیا ہے" ___ سلامو نے جواب دیا۔

" اوکے ___ اسے سنٹرل ٹیبل پر ڈال دو اور تم جاؤ ___ اور صبح اپنی مقررہ جگہ پر پہنچ جانا" ___ باس نے حکم دیا۔ وہ اب کرسی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔

سلامو نے آگے بڑھ کر وہ سفید سی گٹھڑی ہال کے درمیان میں پڑی ہوئی بڑی میز پر ڈال دی اور پھر مڑ کر دروازے سے باہر نکل گیا۔

"مارٹن! — دروازہ بند کر دو" — باس نے مارٹن کو حکم دیا اور مارٹن نے مڑ کر دروازہ بند کر دیا۔

باس قدم بڑھا کر میز کے قریب آیا اور پھر اس نے اس گٹھڑی کو سیدھا کر دیا۔ یہ دراصل لاش تھی جو سفید کفن میں لپٹی ہوئی تھی۔ باس نے ہاتھ بڑھا کر کفن پھاڑ کر ایک طرف پھینک دیا۔ اب لاش بالکل عریاں میز پر پڑی ہوئی تھی۔

"مارٹن! — سامان تیار کر کے لے آؤ" — باس نے لاش کے چہرے کو غور سے دیکھتے ہوئے مارٹن کو حکم دیا اور مارٹن ایک طرف کونے میں رکھی ہوئی بڑی سی الماری کی طرف بڑھ گیا۔

چند لمحوں بعد مارٹن ایک ٹرے میں مختلف ادویات اور سرنجیں وغیرہ رکھے ہوئے آیا اور قریب ہی پڑی ہوئی ایک تپائی پر وہ ٹرے رکھ دی۔ پھر ٹرے رکھ کر وہ دوسرے کونے کی طرف بڑھا اور کونے میں رکھی ہوئی ایک بہت بڑی مشین کو جس کے نیچے چھوٹے چھوٹے پہیے لگے ہوئے تھے گھسیٹ کر میز کے قریب لے آیا۔ مشین کے اوپر ایک راڈ پر پتلی سی جالی لگی ہوئی تھی۔ مارٹن نے راڈ کے نیچے لگے ہوئے ایک چھوٹے سے ہینڈل کو گھمایا اور جالی آہستہ آہستہ نیچے آنی شروع ہو گئی۔ حتیٰ کہ وہ جالی لاش کے منہ پر فٹ آ گئی۔ لاش کا چہرہ جالی سے ڈھک گیا۔ پھر اس نے مشین کا سوئچ آن کر دیا مشین پر لگے ہوئے مختلف ڈائل روشن ہو گئے اور سوئیاں تھرتھرانے لگیں۔

باس نے ٹرے میں پڑی ہوئی ایک بڑی سرنج اٹھائی اور ساتھ ہی رکھے ہوئے ایک پیالے میں جو کہ ہلکے نیلے رنگ کے سیال سے بھرا ہوا تھا۔ ڈبو دی۔ پھر دستے کو کھینچنے لگا۔ سیال تیزی سے سرنج میں بھرنا شروع ہو گیا۔ جب سرنج بھر گئی تو پیالہ

آدھا ہو چکا تھا۔ باس نے ایک لمحے کے لیے سرنج کو بغور دیکھا اور پھر اس کے منہ پہ باریک سی سوئی فٹ کی اور پھر لاش کے پیٹ پر عین ناف کے قریب اس نے سوئی گھونپ دی۔ سرنج میں بھرا ہوا سیال مادہ آہستہ آہستہ مردہ جسم میں منتقل ہونا شروع ہو گیا۔ سرنج خالی کر کے اس نے ایک دفعہ پھر پیالے سے باقی ماندہ سیال اس میں بھرا اور دوبارہ مردہ جسم میں منتقل کر دیا۔ سرنج خالی کر کے اس نے دوبارہ ٹرے میں ڈال دی اور مشین کے ڈائلوں کو بغور دیکھنا شروع کر دیا۔ ڈائلوں کی سوئیاں تیزی سے تھرتھرا رہی تھیں۔ اور پھر درمیان میں لگے ہوئے بڑے سے ڈائل کی سوئی آہستہ آہستہ چلتی ہوئی مخالف سمت میں بنے ہوئے سرخ نشان کی طرف بڑھنے لگی۔ چند لمحے بعد وہ اس سرخ نشان تک پہنچ گئی اس کے وہاں پہنچتے ہی باس نے ٹرے میں سے ایک بوتل اٹھائی اور اس کا ڈھکن کھول کر اس میں بھرے ہوئے پتلے سے مادے کو مردہ جسم کے عین دل کے اوپر ڈال دیا اور پھر آہستہ آہستہ وہاں ہاتھ سے مالش شروع کر دی۔ چند منٹ بعد وہ پتلا سا مادہ جسم میں جذب ہو گیا۔

باس ابھی مالش کر رہا تھا کہ مارٹن نے ایک اور سرنج اٹھا کر اس میں ایک دوا بھری اور باس کے دوسرے ہاتھ میں پکڑا دی۔ مالش کرتے کرتے باس نے رک کر پھرتی سے سرنج کے ساتھ لگی ہوئی سوئی اسی جگہ پر گھونپ دی جہاں ایک لمحہ پہلے وہ مالش کر رہا تھا۔ سرنج میں بھری ہوئی دوا آہستہ آہستہ جسم کے اندر جانے لگی۔ سرنج کے خالی ہوتے ہی اس نے اسے واپس کھینچا اور پھر ایک طویل سانس لے کر ایک طرف ہٹ گیا۔

"مارٹن! — تم اس کا خیال رکھو اور مجھے وقتاً فوقتاً اس کے متعلق رپورٹ دیتے رہنا — میں روم نمبر تھری میں جا رہا ہوں" — باس نے مارٹن سے مخاطب ہو کر کہا۔

"او کے باس" — مارٹن نے سر جھکاتے ہوئے منمنی سی آواز میں جواب دیا اور باس

دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

مارٹن دروازہ بند کر کے دوبارہ لاش کی طرف آیا۔ اور پھر بغور لاش کی طرف دیکھنے لگا۔ ساتھ ساتھ اس کی نظریں مشین کے ڈائلوں پر بھی تھیں جن کی سوئیاں اب مختلف ہندسوں کے درمیان تھرتھرا رہی تھیں۔

لاش جو شروع میں کافی اکڑی ہوئی تھی اب آہستہ آہستہ نرم پڑتی جا رہی تھی۔ تقریباً پندرہ منٹ بعد مارٹن نے لاش کو ایک اور انجکشن لگایا۔ اور پھر انجکشن کے پانچ منٹ بعد اس نے مشین کا بٹن آف کر کے جالی لاش کے منہ سے ہٹالی اور لاش کو ایک سفید چادر سے اچھی طرح ڈھانپ دیا۔ پھر اس نے ایک کونے کی طرف بڑھ کر ایک چھوٹا سا ٹرانسمیٹر اٹھایا اور اس پر باس کو رپورٹ دینے لگا۔

"ٹھیک ہے ـــــ تم آپریشن روم کا درجہ حرارت ۱۰۳ ڈگری پر سیٹ کر کے باہر آ جاؤ۔ دروازہ باہر سے مقفل کر دینا"ـــــ باس نے رپورٹ سننے کے بعد حکم دیا اور مارٹن ٹرانسمیٹر رکھ کر ایک دیوار کی طرف بڑھا۔ وہاں اس نے درجہ حرارت ۱۰۳ ڈگری پر سیٹ کیا اور پھر ایک نظر لاش پر ڈالتا ہوا دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ باہر سے دروازہ مقفل کر کے چابی جیب میں ڈالی اور راہداری سے گزرتا ہوا دوبارہ اس کمرے میں آ گیا جہاں مٹی کے تیل کا دیا جل رہا تھا۔ یہاں پہنچ کر اس نے کمرے میں پڑی ہوئی ایک پھٹی پرانی اور میلی سی رضائی اٹھائی۔ رضائی کے نیچے فرش پر پیر سے مخصوص انداز میں دباؤ ڈالا تو بائیں سائیڈ کی دیوار ایک طرف ہٹ گئی۔ اس کے پیچھے ایک چھوٹا سا کمرہ تھا۔ مارٹن اس کمرے میں داخل ہو گیا۔ اس کے کمرے میں داخل ہوتے ہی دیوار دوبارہ برابر ہو گئی۔ چھوٹے کمرے سے ہوتا ہوا وہ ایک اور بڑے کمرے میں آیا۔ یہاں اس کا وہی باس ایک بہت بڑی سکرین کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔

"آؤ مارٹن"ـــــ باس نے بغیر مڑے مارٹن سے کہا۔

"یس باس"ـــــ مارٹن نے باس کے قریب آ کر قدرے جھکتے ہوئے کہا۔

"لاش میں حرکت شروع ہو چکی ہے مارٹن"ـــــ باس نے سکرین میں دیکھتے ہوئے کہا جہاں آپریشن روم کا تمام منظر نظر آ رہا تھا۔

"مبارک ہو باس"ـــــ مارٹن نے قدرے خوشامدانہ انداز میں جواب دیا اور پھر وہ خود بھی سکرین میں دیکھنے لگا۔

میز پر پڑی ہوئی لاش آہستہ آہستہ ہل رہی تھی اور پھر تھوڑی دیر بعد حرکت میں تیزی آ گئی۔ تقریباً پندرہ منٹ بعد اچانک وہ لاش زندہ انسان کی طرح اٹھ کر بیٹھ گئی۔ چادر اس کے پیروں میں جا پڑی۔

"کیا حال ہیں سر رحمان"ـــــ؟ باس نے مشین کا ایک بٹن دبا کر آہستہ سے کہا۔ اور لاش سے زندہ انداز میں تبدیل ہونے والا انسان بُری طرح اچھل پڑا۔

وہ یقیناً سر رحمان تھے جو حیرت اور خوف کے ملے جلے جذبے سے چاروں طرف دیکھ رہے تھے۔

عمران آجکل عجیب مصیبت میں پھنسا ہوا تھا۔ ایک تو تعزیت کرنے والوں کا ابھی تک تانتا بندھا ہوا تھا اور عمران نہ چاہتے ہوئے بھی ان کے سامنے سنجیدہ ہونے پر مجبور تھا۔ ویسے اب عمران کی سمجھ میں آیا تھا کہ زندگی میں بعض ایسے موقعے بھی آ جاتے ہیں جہاں آدمی کو مجبوراً سنجیدہ ہونا پڑتا ہے۔ دوسرا والدہ کی طبیعت والد کی وفات کے

بعد مسلسل خراب رہنے لگی تھی اور وہ بھی اب چند دنوں کی مہمان نظر آتی تھیں اور سب سے بڑا مسئلہ جو اُسے درپیش تھا وہ یہ کہ والدہ نے اُسے سختی سے حکم دے دیا تھا کہ وہ اب فلیٹ چھوڑ کر کوٹھی میں رہائش رکھے۔ باقی تو سب مسئلے وقت کے ساتھ حل ہو جاتے مگر یہ آخری بات عمران کو ٹیڑھی کھیر نظر آتی تھی۔ کیونکہ کوٹھی میں مستقل رہائش رکھنا اس کے لیے تقریباً ناممکن تھا۔

سب سے بڑا مسئلہ تو ایکسٹو والے پرائیویٹ ٹیلیفون کا تھا۔ دوسرا یہ کہ کوٹھی میں اُسے آزادی میسر نہیں آسکتی تھی۔ اب والدہ کے حکم کو بھی موجودہ پوزیشن میں ٹالا نہیں جاسکتا تھا۔ وہ عجیب مخمصے میں پھنسا ہوا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ اونٹ آخر کس کروٹ بیٹھے گا۔ یہاں آکر اس کی ریڈی میڈ کھوپڑی بھی جواب دے گئی تھی۔

آج بھی عمران بڑی مشکل سے جان چھڑا کر دانش منزل آیا تھا اور دانش منزل میں اپنے مخصوص کمرے میں بیٹھا وہ اسی مسئلے پر غور کر رہا تھا کہ اس کا کوئی مناسب حل نکل آئے۔ بلیک زیرو بھی سامنے والی کرسی پر خاموش بیٹھا تھا۔ کافی دیر غور کرنے کے بعد جب اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا تو تنگ آکر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"اچھا طاہر! ــــ میں چلتا ہوں" ــــ عمران نے دھیرے سے مسکراتے ہوئے کہا۔

"واپس کوٹھی جارہے ہو" ــــ بلیک زیرو نے پوچھا۔

"نہیں ــــ فی الحال تو کوٹھی جانے کا ارادہ نہیں ہے ــــ ذرا شہر کی مٹرگشت کروں گا۔ بعد میں کوٹھی کا رخ کروں گا" ــــ عمران نے جواب دیا اور پھر تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔ چند لمحے بعد اس کی سرخ سپورٹ کار دھیمی رفتار سے شہر کی بارونق سڑک پر سے گزر رہی تھی۔

کافی دیر تک وہ یونہی شہر کی مٹرگشت کرتا رہا۔ پھر اس نے کار کا رخ ہوٹل تھری سٹار

کے کمپاؤنڈ میں موڑ دیا۔ پارکنگ سٹینڈ پر کار کھڑی کر کے وہ باہر نکلا اور ہوٹل کے مین گیٹ کی طرف بڑھا۔

اور پھر وہ اچانک ٹھٹھک کر رک گیا۔ اس نے ایک مجہول صورت بھکاری کو کمپاؤنڈ کی دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑے دیکھا۔ بھکاری ہر لحاظ سے بھکاری ہی نظر آرہا تھا۔ پھر نجانے عمران کے ٹھٹھکنے کی وجہ کیا تھی۔

بھکاری دیوار سے ٹیک لگائے مسلسل مین گیٹ کی طرف دیکھے جارہا تھا اس لیے اس نے عمران کو ٹھٹھکتے یا رکتے نہیں دیکھا۔ عمران بھکاری کی طرف بڑھنے لگا اور آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا وہ گیٹ کے قریب پہنچا اور بھکاری کے پاس جاکر رک گیا بھکاری نے چونک کر عمران کی طرف دیکھا اور دوسرے لمحے اس نے ہاتھ بڑھا دیا۔

"بابا کہاں رہتے ہو" ــــ؟ عمران نے جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے پوچھا۔

لیکن بھکاری نے کوئی جواب نہ دیا۔

بھکاری کی نظریں عمران کے ہاتھ پر لگی ہوئی تھیں جو ابھی تک جیب میں تھا۔ بھکاری کا خیال تھا کہ کوئی بھاری اسامی ہے۔ موٹی رقم ملے گی۔ مگر دوسرے لمحے جب عمران نے جیب سے ہاتھ باہر نکالا تو اس کے ہاتھ میں چیونگم کا پیکٹ تھا۔

عمران نے بڑے اطمینان سے وہ پیکٹ کھولا اور اس میں سے دو پیس نکال کر منہ میں ڈال لیے اور ایک پیس بھکاری کے بڑھے ہوئے ہاتھ پر رکھ کر اُسے یوں فخریہ انداز میں دیکھا جیسے بھکاری کی سات پشتوں پر احسان کر دیا ہو۔ بھکاری کی آنکھوں میں آنے والی چمک ماند پڑ گئی۔

"ہاں بابا! ــــ یہ تو بتاؤ کہ دن میں کتنے کما لیتے ہو ــــ میں بھی آجکل بیروزگار ہوں ــــ کیوں نہ میں بھی یہی دھندا شروع کر دوں ــــ نہ کام کرنا پڑا نہ کاج۔ بس ہاتھ آگے بڑھا دیا ــــ رقم نہ ملی تو کم از کم چیونگم تو مفت مل جائیگی" ــــ عمران

خوامخواہ بولتا چلا جا رہا تھا۔ لیکن بھکاری خاموش کھڑا تھا۔ البتہ اس کی آنکھوں میں پیدا ہونے والی الجھن عمران کو صاف دکھائی دے رہی تھی۔ آنے جانے والے لوگ غور سے عمران کو دیکھتے اور پھر مسکرا کر آگے بڑھ جاتے۔

"بابا کچھ تو بولو کہ آج غالب غزل سرا نہ ہوا ـــــ اب بتاؤ، یہ شاعر بھی کتنے احمق ہیں۔ غزل غالب نے نہیں پڑھی اور رعب ہم پر ہے کہ تم کچھ بولو ـــــ نہیں بولتے۔ کوئی کسی کی دھونس ہے۔"

"آں آں ـــ اوں اوں" ـــــ آخر بھکاری نے تنگ آ کر اپنے گونگے ہونے کا اعلان کر دیا۔

"ارے تم تو گونگے ہو ـــــ سچ سچ ـــ گونگا ہونے میں بھی کتنا فائدہ ہے۔ نہ سٹیج پر تقریر کرنی پڑی ـــ نہ بیوی کو سگھڑپن پر لیکچر دینا پڑا ـــ نہ بچوں کو جھوٹ سچ کی تمیز پر مثالیں دینی پڑیں ـــ اور سب سے بڑی بات یہ کہ منکر نکیر کے سوال جواب سے بچ گئے ـــ بس اوں آں میں ہی کام چل گیا ـــ آؤ بابا! تمہیں ہوٹل میں لے چلوں، میری تو یہاں کھڑے کھڑے ٹانگیں دکھنے لگی ہیں ـــــ واقعی بھکاری بننا بھی بڑا محنت طلب کام ہے" ـــــ عمران نے کہا اور پھر بھکاری کا ہاتھ پکڑ کر تقریباً اُسے گھسیٹتا ہوا ہوٹل کی طرف لے چلا۔

بھکاری نے بہت اُوں آں کی اور عمران کی گرفت سے آزاد ہونا چاہا۔ لیکن وہ عمران ہی کیا جو ہاتھ ڈال کر یوں چھوڑ دے۔

بھکاری شور مچاتا تقریباً گھسٹتا ہوا عمران کے پیچھے پیچھے جا رہا تھا۔ اس نے بہت ہاتھ پیر مارے مگر عمران کے کانوں پر جُوں تک نہ رینگی اور وہ اُسے بدستور گھسیٹتے ہوئے ہوٹل کے مین گیٹ تک لے آیا۔ لیکن آگے چوکیدار نے بھکاری کو اندر جانے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔

"ارے کیوں ـــ؟ کیا یہ ملک کا معزز شہری نہیں ـــــ؟ تم سے تو زیادہ کما لیتا ہوگا" ـــــ عمران چوکیدار پر چڑھ دوڑا۔

"نہیں جناب! ـــــ یہ فقیر اندر نہیں جا سکے گا" ـــــ چوکیدار نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"منہ سنبھال کر بات کرو۔ خبردار! جو اسے فقیر کہا۔ بھکاری کے معزز لفظ سے یاد کیا کرو ـــــ اور سُن لو کہ میں اسے ضرور اندر لے کر جاؤں گا ـــــ یہ ہوٹل ہے کوئی چنڈو خانہ نہیں کہ جہاں صرف شریف آدمی ہی جا سکیں" ـــــ عمران نے چوکیدار کو ڈانٹتے ہوئے کہا۔

اور چوکیدار عمران کو یوں حیرت سے دیکھنے لگا جیسے اس کی صحیح الدماغی پر شک کر رہا ہو۔

"ایک دفعہ کہہ دیا کہ بابا فقیر اندر نہیں جا سکتا پھر خوامخواہ تم شور مچائے جا رہا ہے" ـــــ اکھڑ مزاج چوکیدار نے بڑی رکھائی سے کہا اور دوسرے لمحے عمران کا ایک زوردار تھپڑ چوکیدار کے گال پر پڑا۔ تھپڑ اتنا زوردار تھا کہ چوکیدار الٹ کر ایک طرف جا پڑا۔

"پھر تم نے فقیر کہا تو میں تمہیں جان سے مار دوں گا" ـــــ عمران غصے سے دھاڑا۔ اور اس سے پہلے کہ چوکیدار اٹھ کر کھڑا ہوتا۔ وہ دروازہ کھول کر بھکاری کو گھسیٹتا ہوا ہوٹل کے اندر لیتا چلا گیا۔ بھکاری نے شاید اب خاموشی میں ہی عافیت جانی تھی اس لیے اس نے بھی کوئی جدوجہد نہ کی۔ ویسے اس کے چہرے پر حیرت پھٹی پڑ رہی تھی۔

اندر ہال میں دار الحکومت کا وہ طبقہ تشریف فرما تھا جسے اصرار تھا کہ مہذب اور معزز ہونے کا حق اُسی کو ہی حاصل ہے۔

چوکیدار اٹھ کر غصّے سے پھنکارتا ہوا عمران اور بھکاری کے پیچھے لپکا۔ اور پھر ہال میں بھکاری کو داخل ہوتے دیکھ کر سب لوگ حیرت سے یوں خاموش ہو گئے۔ جیسے یہ جانور انہوں نے پہلی بار دیکھا ہو۔ چوکیدار نے بھاگ کر عمران کا گریبان پکڑ لیا۔

"خاموشی سے واپس چلے جاؤ ورنہ" ——— عمران سانپ کی طرح پھنکارا اور چوکیدار نے ایک جھٹکے سے گریبان چھوڑ دیا۔ نجانے عمران کے لہجے میں کیا بات تھی۔ چوکیدار کو ایسا محسوس ہوا جیسے اس کے اعصاب سُن ہو گئے ہوں اور وہ حرکت کرنے کے قابل بھی نہ رہا ہو۔

عمران بھکاری کو لیے ایک خالی میز کی طرف بڑھنے لگا کہ اتنے میں ایک بیرے نے راستہ روک لیا۔

"تم باہر نکلو ——— تم ہوٹل میں نہیں بیٹھ سکتے" ——— بیرے نے انتہائی حقارت سے بھکاری کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

اب ہال میں موجود لوگوں نے بھی شور مچانا شروع کر دیا کہ اس بھکاری کو باہر نکالا جائے۔ یہ شریف لوگوں کا ہوٹل ہے۔ لیکن عمران نے بھکاری کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑا ہوا تھا۔ اس کے چہرے پر حماقتوں کی جلوہ گری تھی۔

"ہٹ جاؤ راستے سے ——— یہ یہیں بیٹھے گا" ——— عمران نے بیرے کو ڈانٹ دیا اور بیرا ڈانٹ سنکر ایک طرف ہو گیا۔

عمران خالی میز کے قریب پہنچ گیا۔ اور پھر اس نے ایک کرسی پر بھکاری کو زبردستی بٹھا دیا اور دوسری کرسی پر خود بیٹھ گیا۔ اور آس پاس موجود شرفا نے ناک بھوں چڑھا لیا۔

شور سُنکر منیجر اپنے آفس سے باہر نکل آیا۔ جب اُسے صورتحال کا علم ہوا تو وہ

تیر کی طرح عمران کی طرف لپکا۔

"یہ بھکاری یہاں نہیں بیٹھ سکتا۔ اسے باہر نکلنا ہوگا" ——— منیجر نے سخت لہجے سے عمران کو کہا اور بھکاری کا بازو پکڑ کر اٹھانا چاہا۔

"منیجر صاحب! ——— ایک منٹ ٹھہریئے ——— پہلے میرے سوال کا جواب دیجئے" ——— عمران نے سنجیدگی سے کہا اور منیجر سوالیہ نظروں سے عمران کی طرف دیکھنے لگا۔ ہال میں بیٹھے ہوئے تمام لوگ بھی عمران کی طرف متوجہ تھے۔

"بھکاری کسے کہتے ہیں" ——— ؟ عمران نے سوال کیا۔

"بھیک مانگنے والوں کو" ——— منیجر نے عمران کی معلومات میں اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

"اور بھیک کسے کہتے ہیں" ——— ؟ عمران نے دوسرا سوال کیا۔

"خیرات کو" ——— منیجر کو اس سوال کا جواب دینے کے لیے ایک لمحہ سوچنا پڑا۔

"اور خیرات کسے کہتے ہیں" ——— ؟ عمران نے تیسرا سوال کیا۔

"میرے سر کو" ——— منیجر نے پے در پے سوالوں پر جھنجھلا کر جواب دیا۔

"بس ثابت ہوا کہ جس کے پاس آپ کا سر ہو۔ وہ بھکاری ہے ——— اب آپ بہتر سمجھ سکتے ہیں کہ بھکاری کون ہے" ——— عمران نے نکتہ نکالا اور آس پاس موجود لوگ بڑی دلچسپی سے یہ سوال جواب سن رہے تھے بے اختیار ہنس پڑے۔ منیجر کا رنگ غصے سے سرخ ہو گیا۔

"آپ دونوں برائے مہربانی باہر تشریف لے جایئے" ——— منیجر نے بھکاری کے ساتھ ساتھ اب عمران کو بھی باہر نکالنے کا فیصلہ کر لیا۔ لیکن ایک کاروباری آدمی ہونے کی وجہ سے اس کا لہجہ اتنے غصے کے باوجود اخلاق کی حدود کے اندر ہی تھا۔

"کس خوشی میں" ——— ؟ عمران نے حیرت آمیز لہجے میں پوچھا۔

"ہمارے ہوٹل کے حقوق داخلہ محفوظ ہیں ——— ہماری اجازت کے بغیر کوئی شخص اس ہوٹل میں داخل نہیں ہوسکتا" ——— مینجر نے رعب جھاڑا۔

"تو کیا یہ تمام لوگ تم سے اجازت لیکر یہاں بیٹھے ہوئے ہیں" ——— ؟ عمران بحث پر اتر آیا۔

"یہ شریف لوگ ہیں ——— بھکاری نہیں" ——— مینجر نے تلملا کر جواب دیا۔

"تمہاری نظر میں شرافت کا معیار کیا ہے ——— ؟ اگر صرف سوٹ پہننے والا ہی شریف آدمی ہوسکتا ہے تو یہ رقم لو اور کسی آدمی کو بھیج کر اس کے سائز کا ایک ریڈی میڈ سوٹ منگوالو۔ باقی رقم تم خود رکھ لینا" ——— عمران نے جیب سے بڑے نوٹوں کی ایک گڈی نکال کر مینجر کے سامنے پھینک دی۔

مینجر اور دوسرے لوگ حیرت سے نوٹوں کی گڈی کی طرف دیکھنے لگے رقم یقیناً پانچ ہزار سے کم نہ ہوگی۔

"ہاں ——— یہ ہوسکتا ہے ——— اگر یہ سوٹ پہن لے تو پھر مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا" ——— مینجر نے نرم پڑتے ہوئے کہا۔ شائد وہ عمران کی دولت مندی اور فیاضی سے مرعوب ہوگیا تھا۔

"نہیں ——— ایسا نہیں ہوسکتا" ——— بھکاری نے پہلی دفعہ زبان کھولی۔ اور وہ سوٹ پہننے کے خلاف احتجاج کر رہا تھا۔

"تم خاموش رہو ——— میں تمہیں آج ہر قیمت پر شریف بنانا چاہتا ہوں" ——— عمران نے اسے جھڑک کر خاموش کر دیا۔

مینجر نے نوٹوں کی گڈی سے تین نوٹ نکال کر بیرے کو دیئے اور اسے سٹینڈرڈ سائز کا ریڈی میڈ سوٹ لے آنے کو کہا اور باقی رقم ادب سے عمران کے

سامنے رکھ دی۔

بیرا سوٹ لینے چلا گیا۔ لوگ عمران کو کوئی دولت مند خبطی سمجھنے پر مجبور ہوگئے لیکن اب بھکاری کی نظروں سے گہری پریشانی کا اظہار ہو رہا تھا۔ وہ بار بار پہلو بدل رہا تھا جیسے بھاگنے کے لیے پر تول رہا ہو۔ مگر اسے بھاگنے کی کوئی راہ نظر نہیں آرہی تھی۔ اتنے میں بیرا ساتھ والی مارکیٹ سے سوٹ لے کر آگیا۔ تمام لوگ حیرت اور دلچسپی سے یہ ڈرامہ دیکھ رہے تھے۔

"جاؤ اور ساتھ والے کیبن میں سوٹ پہن کر آؤ" ——— عمران نے بھکاری کو سخت لہجے میں کہا۔ مگر بھکاری خاموشی سے بیٹھا رہا۔

"اور ہاں بیرے ! ——— اپنے ہوٹل کے باربر کو بلواؤ تاکہ اس کی شیو اور کٹنگ بھی کردے" ——— عمران نے بیرے کو حکم دیا۔

بھکاری اچھل کر کھڑا ہوگیا۔ اور دوسرے لمحے اس نے چھلانگ لگائی اور مین گیٹ کی طرف بڑھا۔

"رک جاؤ ورنہ گولی مار دوں گا" ——— عمران نے یکدم جیب سے ریوالور نکال لیا اور بھکاری رک گیا۔

ہال میں موجود تمام لوگ خوفزدہ ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

"واپس آؤ" ——— عمران نے بھکاری کو حکم دیا۔

اسی لمحے کہیں قریب ہی سے فائر ہوا اور بھکاری ایک چیخ مار کر الٹ گیا۔ اس کے سینے سے خون نکلنے لگا۔ اور وہ فرش پر تڑپنے لگا۔ ہال میں افراتفری مچ گئی اور لوگ خوفزدہ ہو کر سائیڈ گیٹ کی طرف بڑھے۔ ایک اودھم مچ گیا اور چیخ و پکار سے ہال گونجنے لگا۔

بھکاری ٹھنڈا ہو چکا تھا۔

لوگ ایک دوسرے پر گرتے پڑتے گیٹ سے باہر نکل رہے تھے کہ بیروں نے منیجر کی ہدایت پر انہیں روک کر زبردستی دروازے بند کر دیئے مگر پھر بھی کافی سے زیادہ لوگ باہر نکل جانے میں کامیاب ہو گئے تھے۔

عمران ابھی تک اپنی میز کے قریب کھڑا صورت حال کا جائزہ لے رہا تھا اس کی عقابی نظریں چاروں طرف گردش کر رہی تھیں لیکن اُسے کوئی ایسا مشتبہ آدمی نظر نہیں آ رہا تھا جس پر وہ فائر کرنے کا شک کر سکے۔

منیجر کے بار بار اعلان کرنے کے بعد اب قدرے ہوٹل میں سکون ہوا تھا۔ ویسے ہوٹل کا کافی سے زیادہ نقصان ہو گیا تھا اور منیجر قہر آلود نظروں سے کبھی عمران کی طرف دیکھتا اور کبھی مردہ بھکاری کی طرف۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ دونوں کو کچا چبا جائے۔

تھوڑی دیر بعد دروازے کھلے اور پھر پولیس اندر داخل ہو گئی۔ عمران یہ دیکھ کر چونک پڑا کہ پولیس انسپکٹر کے ساتھ سپرنٹنڈنٹ فیاض بھی تھا۔ اس کی نظر جب عمران پر پڑی تو وہ تیر کی طرح اس کی طرف بڑھا۔ عمران اپنی کرسی پر بڑے اطمینان سے بیٹھا ہوا تھا۔

"ہیلو سوپر کیا حال ہیں"۔۔۔؟ عمران فیاض کے قریب آتے ہی اٹھ کھڑا ہوا۔

"عمران!۔۔۔ یہ سب کیا ہنگامہ ہے"۔۔۔؟ فیاض نے حیرت سے بھکاری کی لاش کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ایک ہنگامے پہ موقوف ہے ہوٹل کی رونق"۔۔۔ عمران نے چہک کر مصرعہ پڑھا۔

"مگر اتنے بڑے ہوٹل میں یہ بھکاری کیسے آ گیا"۔۔۔؟ فیاض ابھی تک دریائے حیرت میں غوطہ زن تھا۔

"جیسے کسی جوئے خانہ میں تم پہنچ جاتے ہو"۔۔۔ عمران نے جواباً طنز کیا۔ اور سوپر نے منہ بنا لیا۔

منیجر سے پوچھ گچھ کر کے انسپکٹر اب عمران کی طرف بڑھا۔ اور اس نے قریب آتے ہی عمران سے سوالات شروع کر دیئے۔

"آپ اس بھکاری کو اس ہوٹل میں لائے تھے"۔۔۔؟ انسپکٹر نے قدرے نرم لہجے میں سوال کیا۔ شاید وہ فیاض کا لحاظ کر رہا تھا۔

"نہیں۔ وہ اپنے پیروں سے چل کر آیا تھا"۔۔۔ عمران نے انسپکٹر کی معلومات میں اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

"آپ سیدھی طرح میرے سوالوں کا جواب دیں۔۔۔ میں قانون کے معاملے میں کسی کا لحاظ نہیں کرتا"۔۔۔ انسپکٹر جو شاید نیا تھا۔ عمران کے جواب پر ہتھے سے ہی اکھڑ گیا۔

"بڑا اچھا کرتے ہو۔۔۔ بالکل لحاظ نہیں کرنا چاہیئے۔۔۔ پولیس کو ہونا ہی بدلحاظ چاہیئے"۔۔۔ عمران نے معصومیت سے کہا اور پولیس انسپکٹر کے ساتھ ساتھ فیاض بھی بُرا سا منہ بنا کر رہ گیا کیونکہ چوٹ اس پر بھی کی گئی تھی۔

"میں ایک بار پھر سوال کرتا ہوں کہ کیا آپ ہی اس بھکاری کو اس ہوٹل میں لے آنے کے ذمہ دار ہیں"۔۔۔؟ انسپکٹر نے سخت لہجے میں پوچھا۔

"جی ہاں!۔۔۔ یہ گناہ کبیرہ مجھ سے ہی سرزد ہوا ہے۔۔۔ خدا جانے عاقبت میں میرا کیا حشر ہو گا"۔۔۔ عمران نے مسخرے پن سے جواب دیا۔

"آپ اسے ہوٹل میں کیوں لے آئے تھے"۔۔۔؟ پولیس انسپکٹر جو اب سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا تھا۔ عمران سے دوسرا سوال کیا۔

"سچ سچ بتا دوں انسپکٹر صاحب"۔۔۔ عمران نے یوں پوچھا جیسے سچ

بولنے سے شرما رہا ہو۔

"بالکل" ——— پولیس انسپکٹر نے کہا۔

"مجھے سپرنٹنڈنٹ فیاض نے کہا تھا کہ اس بھکاری کو ہوٹل میں لے جاؤ" ——— عمران نے جواب دیا۔

اور پولیس انسپکٹر کے ساتھ ساتھ فیاض بھی اپنی جگہ سے اچھل پڑا۔

"میں نے کہا تھا" ——— ؟ فیاض نے حیرت سے بھرپور لہجے میں کہا۔

"اتنی جلدی بھول گئے سپرنٹنڈنٹ صاحب! ——— میرے خیال میں تمہیں کُشتہ مروارید دس تولے عرق گاؤزبان کے ساتھ نہار منہ کھانا چاہیئے تاکہ تمہاری یادداشت قائم رہے" ——— عمران نے یوں نسخہ بتایا جیسے جدی پشتی حکیم حاذق رہا ہو۔

"بکواس مت کرو ——— اب تمہارے والد نہیں رہے جن کا میں لحاظ کیا کرتا تھا" فیاض اس سفید جھوٹ پر بُری طرح جھنجھلا گیا۔

"فکر نہ کرو ——— والد نہیں رہے۔ تب بھی تمہیں ڈائریکٹر جنرل کوئی نہیں بنائے گا ——— تم تمام عمر اسی طرح سپرنٹنڈنٹ ہی رہو گے" ——— عمران نے پیش گوئی کر دی۔

"کیا مطلب ——— ؟ کیا یہ ڈائریکٹر جنرل سر رحمان مرحوم کے لڑکے ہیں" ——— ؟
انسپکٹر شاید کافی ذہین تھا کہ اس نے فوراً ہی نتیجہ نکال لیا۔

"ہاں" ——— فیاض نے مختصر سا جواب دیا اور انسپکٹر کے چہرے پر ایک سایہ سا لہرا گیا۔ شاید وہ عمران کی حیثیت سے مرعوب ہو گیا تھا۔

"آپ کی تعریف" ——— اب انسپکٹر نے انتہائی نرم اور بااخلاق لہجے میں پوچھا

"تعریف اس خدا کی جس نے مجھے علی عمران ایم۔ ایس۔ سی۔ ڈی۔ ایس۔ سی (آکسن) بنایا" ——— عمران نے اپنا تعارف کرا دیا۔

"اوہ! ——— کیا آپ اس سلسلے میں کوئی بیان دینے پر رضامند نہیں" ——— ؟
انسپکٹر نے سوال کیا۔

"بیان کیا دینا ہے ——— بس میں بھکاری کو لیکر ہال میں آیا کہ کہیں سے گولی چلی اور بھکاری صاحب مجھے اکیلا چھوڑ کر اللہ میاں کے فردوس ہوٹل میں تشریف لے گئے" ——— عمران نے بیان دے دیا اور انسپکٹر نے خاموشی سے اٹھ جانے ہی میں عافیت سمجھی۔ فیاض نجانے کیوں خاموش بیٹھا تھا۔ شاید وہ بگڑا بیٹھا تھا۔

"سوپر فیاض! ——— تمہیں ایک راز بتاؤں" ——— ؟ عمران نے آگے جھکتے ہوئے رازدارانہ لہجے میں فیاض کو مخاطب کیا۔ اور فیاض نہ چاہتے ہوئے بھی پُراشتیاق طریقے سے آگے جھک گیا۔

"یہ بھکاری میک اپ میں ہے" ——— عمران نے انکشاف کیا۔

"نہیں" ——— فیاض بھونچکا رہ گیا۔ اسے ایسا محسوس ہوا جیسے عمران نے انہونی بات کہہ دی ہو۔

"نہیں تو نہ سہی ——— جب پوسٹ مارٹم ہو گا تو راز کھل جائے گا اور پھر تمہاری ذہانت کا رعب اس انسپکٹر پر نہ پڑ سکے گا" ——— عمران نے سادہ سے لہجے میں کہا اور فیاض تیزی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

فیاض نے مردہ بھکاری کے چہرے کی طرف غور سے دیکھا اور دوسرے لمحے اس کی آنکھوں کی چمک بڑھ گئی۔ اس نے انسپکٹر کو بلایا۔

"انسپکٹر! ——— اس بھکاری میں تم نے کوئی خاص بات نوٹ کی" ——— ؟ اس نے بڑے رعب سے انسپکٹر سے پوچھا۔

"خاص بات کیا ہوتی ہے سر ——— بس بھکاری ہے" ——— انسپکٹر نے حیرت

سے جواب دیا۔ جیسے بھکاری کے متعلق کوئی خاص بات ہونا ناممکنات میں شامل ہے۔

" نہ جانے کن گدھوں نے تمہیں انسپکٹر بنا دیا ہے" ___ فیاض نے بُرا سا منہ بنا کر جواب دیا اور انسپکٹر تلملایا تو بہت لیکن فیاض کی آفیسری کا خیال کر کے خاموش رہا۔

" تمہیں نظر نہیں آرہا کہ یہ بھکاری میک اپ میں ہے ___ اس کا میک اپ صاف کراؤ" ___ فیاض نے یوں انکشاف کیا جیسے کل کائنات کی ذہانت صرف اسی کے حصے میں آئی ہو۔

انسپکٹر اس انکشاف پر اچھل پڑا۔

" یہ کیسے ہو سکتا ہے" ___ ؟ انسپکٹر نے انتہائی حیرت اور پریشانی کے عالم میں پوچھا۔

عمران ان سب سے لاتعلق ہو کر اپنی میز پر بیٹھا انگلیوں سے میز بجا رہا تھا جیسے وہ اپنے ڈرائنگ روم میں بیٹھا ہو۔

" اس کا میک اپ صاف کراؤ" ___ فیاض نے قدرے سخت لہجے میں کہا اور انسپکٹر نے ایک سپاہی کو ایمونیا کی بوتل لانے کو کہا۔

تھوڑی دیر بعد ایمونیا کی بوتل آگئی اور پھر مردہ بھکاری کا منہ دھویا گیا لیکن اب انسپکٹر اور سپرنٹنڈنٹ فیاض کے ساتھ عمران بھی چونک پڑا کیونکہ بھکاری کسی سفید فام قوم کا باشندہ نکلا۔ انسپکٹر، سپرنٹنڈنٹ فیاض کو یوں تحسین آمیز نظروں سے دیکھ رہا تھا جیسے وہ ذہانت کا پتلا ہو اور فیاض کا سینہ غرور سے تین انچ اور پھول گیا۔

جیسے ہی ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔ جولیا نے رسیور اٹھایا۔

" یس جولیا سپیکنگ" ___ اس نے قدرے نرم آواز میں کہا۔

" ایکسٹو" ___ دوسری طرف سے ایکسٹو کی مخصوص آواز ابھری۔

" یس سر" ___ اب جولیا کا لہجہ مؤدبانہ تھا۔

" جولیا! ___ تمام ممبروں کو حکم دو کہ وہ شہر میں پھیل جائیں اور شہر میں گھومنے والے ہر قسم کے بھکاریوں پر نظر رکھیں۔ خاص طور پر ان کے چہروں کو نزدیک سے دیکھنے کی کوشش کریں۔ اگر انہیں کسی بھکاری پر میک اپ کا گمان ہو تو اس کی کڑی نگرانی کی جائے اور مجھے فوری رپورٹ دی جائے" ___ ایکسٹو نے حکم دیتے ہوئے کہا۔

" بھکاری اور میک اپ" ___ ؟ جولیا کی شدید حیرت سے آواز لڑکھڑا گئی۔

کیونکہ اس کا ذہن ان دونوں میں ربط نہیں نکال سکا تھا۔

" ہاں جولیا! ___ کل ہی ایک بھکاری ہوٹل تھری سٹار میں قتل ہو گیا ہے۔ اور وہ ایک سفید فام تھا جس نے میک اپ کیا ہوا تھا" ___ ایکسٹو نے وضاحت کی۔

" مگر سر ایک بھکاری کا ہوٹل تھری سٹار میں کیا کام" ___ ؟ جولیا کو حیرت کا ایک اور جھٹکا لگا۔

"اُسے وہاں لے جانے والا عمران تھا" ____ ایکسٹو نے مختصر سا جواب دیا اور جولیا ایک طویل سانس لیکر رہ گئی۔ "تو یہ ان حضرت کا کارنامہ ہے" ____ جولیا نے سوچا۔

"بہتر سر ____ میں ابھی احکام جاری کرتی ہوں" ____ جولیا نے جواب دیا۔

"او۔کے" ____ ایکسٹو نے جواب دیا اور پھر ایکسٹو کے رسیور رکھنے کی آواز سُنکر جولیا نے بھی رسیور رکھ دیا۔

"تو کیا کوئی نیا کیس شروع ہوگیا ہے ____ ؟ مگر یہ بھکاری والی بات سمجھ میں نہیں آتی ____ یہ کیسے مجرم ہیں جو بھکاریوں کا روپ دھارے پھر رہے ہیں ___ بہرحال کچھ بھی ہو۔ دیکھا جائے گا" ____ جولیا نے سر جھٹکا اور پھر رسیور اٹھا کر باری باری سب ممبروں کو ایکسٹو کا نیا حکم پہنچانے لگی۔ سب سے آخر میں اس نے صفدر کو رنگ کیا۔

"صفدر سپیکنگ" ____ دوسری طرف سے صفدر کی آواز سنائی دی۔

"میں جولیا بول رہی ہوں صفدر" ____ جولیا نے کہا۔

"اوہ ہو ۔ کیا حال ہیں مس جولیا ____ ؟ کیسے یاد کیا ____ ؟" صفدر کی زندگی سے بھرپور آواز سنائی دی۔

"ایکسٹو کا پیغام سُن لو" ____ اور پھر جولیا نے تفصیل سے صفدر کو ایکسٹو کے حکم سے مطلع کر دیا۔

"یہ کوئی نیا چکر چل پڑا ہے" ____ ؟ صفدر نے تفصیل سُنکر پوچھا۔

"معلوم تو ایسا ہی ہوتا ہے" ____ جولیا نے جواب دیا۔

"مگر عمران صاحب کو بھکاری کو ہوٹل میں لے جانے کی کیا سوجھی" ____ ؟ صفدر نے پوچھا۔

"بس دماغ میں کیڑا رینگ گیا ہوگا" ____ جولیا نے قدرے بیزاری سے جواب دیا۔

"لیکن جولیا ___ ایک بات ہے کہ عمران کی ہر بظاہر اوٹ پٹانگ حرکت اپنے اندر کچھ معنی لیے ہوئے ہوتی ہے ___ اب دیکھو۔ عمران بھکاری کو لے کر ہوٹل میں گیا اور وہاں ایک تو بھکاری قتل ہوگیا ___ دوسرا وہ میک اپ میں پایا گیا" ___ صفدر نے عمران کا دفاع کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں ! ___ ہے تو ایسا ہی" ___ جولیا نے جواب دیا۔

"اچھا اجازت ! ___ میں بھکاریوں کے سروے کے لیے جا رہا ہوں" ___ صفدر نے ہنستے ہوئے کہا اور پھر رسیور رکھ دیا۔

جولیا نے بھی رسیور رکھا اور پھر وہ بھی تیار ہو کر فلیٹ سے باہر نکلی۔ اس نے ٹیکسی روکی اور اُسے گول مارکیٹ چلنے کو کہا۔ وہ بذاتِ خود بھی بھکاریوں کو چیک کرنا چاہتی تھی۔

گول مارکیٹ شہر کا معروف ترین علاقہ تھا۔ اور وہاں بھکاریوں کی کثرت بھی تھی۔ تھوڑی دیر بعد ٹیکسی وہاں تک پہنچ گئی۔ جولیا نے کرایہ دیا اور پھر پیدل ہی ایک طرف چلنے لگی۔ سامنے اُسے ایک لحیم شحیم بھکاری اپنی طرف آتا ہوا دکھائی دیا۔ جب وہ جولیا کے قریب آیا تو جولیا نے بغور اس کے چہرے کی طرف دیکھا لیکن جولیا کو اس کے چہرے پر میک اپ کے کوئی آثار نظر نہ آئے اور پھر بھکاری آگے بڑھتا چلا گیا۔

جولیا اسی طرح بھکاریوں کو چیک کرتی رہی۔ کہیں اُسے خیرات دینے پر بھی مجبور ہونا پڑا لیکن دو گھنٹے کی اس چیکنگ کا کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ اور اُسے کسی بھی بھکاری پر شک نہ گزرا۔ آخر کار وہ تھک ہار کر واپس آنے لگی۔ ابھی

وہ ٹیکسی کی انتظار میں سڑک کے کنارے کھڑی تھی کہ اچانک اُسے کاندھے پر
کسی کے ہاتھ کا دباؤ محسوس ہوا۔

جولیا نے بے اختیار مڑ کر دیکھا تو دو سرخ آنکھیں اُسے گھور رہی تھیں۔
اُسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کے بدن میں بجلی کی لہر دوڑ گئی ہو۔ یہ ایک بدصورت
اور بدہیت بھکاری کی نظریں تھیں جو سر سے گنجا تھا۔ چہرے سے شیطانیت اور
مکاری نمایاں تھی۔ پھٹے پُرانے کپڑے پہنے وہ خاموشی سے جولیا کو گھور رہا
تھا۔ نجانے اُس کی آنکھوں میں کیا بات تھی کہ جولیا کو اپنے جسم سے بے اختیار
پسینہ پھوٹتا محسوس ہوا۔

"مادام ــ کیا آپ میرے ساتھ چلیں گی" ــــ؟ بھکاری کی کرخت سی
آواز جولیا کے کانوں سے ٹکرائی۔ اور بے اختیار جولیا کے منہ سے "ہاں" کا لفظ
نکل گیا۔ بعد میں اُسے سخت حیرت ہوئی کہ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے منہ سے
ہاں کیسے نکل گیا۔ دوسرے لمحے ایک کار ان کے قریب آ کر رک گئی۔

ڈرائیور نے اتر کر دروازہ کھولا اور پھر جولیا کو نہ چاہتے بھی اس میں بیٹھنا
پڑا۔ بھکاری بھی اُس کے ساتھ بیٹھ گیا۔ اور پھر کار تیزی سے سڑکوں پر بھاگنے
لگی۔

"کیا دیکھ رہے ہو سر رحمان" ـــــ؟ سر رحمان کے کانوں سے دوبارہ آواز

ٹکرائی اور انہیں ایسا محسوس ہوا جیسے کمرے کے ہر ذرے سے آواز نکل رہی ہو۔
وہ سمجھ نہیں سکتے تھے کہ اس وقت وہ کہاں ہیں

"تم کون ہو ــ؟ کہاں سے بول رہے ہو ــ؟ اور میں کہاں ہوں" ــ؟
سر رحمان حیرت سے بھرپور لہجے میں بولے۔

"ہاہا ــ سر رحمان بے ــ اگر میں تمہیں یہ بتاؤں کہ تم مرنے کے بعد زندہ
ہوئے ہو تو کیا تم یقین کر لو گے" ـــ؟ آواز تمسخر سے بھرپور تھی۔

"ہشت ــ تم نے مجھے کیا پاگل سمجھ رکھا ہے" ـــ؟ سر رحمان نے
حقارت بھرے لہجے میں جواب دیا۔

"میں ٹھیک کہہ رہا ہوں سر رحمان! ــ تم قانوناً مر چکے ہو۔ اور تمہارے
عزیز و اقارب تمہیں باقاعدہ دفن کر چکے ہیں ــ لیکن تمہیں میرا ممنون ہونا چاہیئے
کہ تم زندہ ہو"۔

"یا میرا دماغ خراب ہے یا تم پاگل ہو ــــ بھلا مر کر بھی کوئی زندہ ہوا ہے"۔
سر رحمان قدرے پریشان لہجے میں بڑبڑائے۔

انہیں وہ واقعات یاد آ رہے تھے جب وہ دفتر سے واپس آئے تو رات
کو ایک نیا ملازم ان کے لیے دودھ لے کر آیا۔ پوچھنے پر اس نے تبلایا کہ وہ پرانے
ملازم کا بھائی ہے اور وہ ایک نہایت ضروری کام کی وجہ سے ایک دن کے لیے
باہر گیا ہوا ہے اس لیے وہ اُس کی جگہ آج صبح سے یہ کام کر رہا ہے۔ اور
سر رحمان مطمئن ہو گئے۔ دودھ پینے کے بعد وہ لیٹ گئے۔ کافی دیر تک انہیں
نیند نہ آئی۔ لیکن پھر وہ سو گئے۔

اچانک ان کے سینے میں زور کا درد ہوا اور وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھے۔ درد
لمحہ بہ لمحہ بڑھتا چلا گیا۔ انہوں نے ڈاکٹر کو ٹیلیفون کرنا چاہا مگر درد کی بے انتہا شدت

کی وجہ سے رسیور ان کے ہاتھوں سے چھوٹ کر فرش پر جا گرا۔ اور دھماکے سے ساتھ والے کمرے سے عمران کی والدہ اٹھ کر آگئیں۔

انہوں نے جب سر رحمان کو اس حالت میں دیکھا تو گھبرا کر ثریا کو آواز دی۔ سر رحمان کو اتنا یاد ہے کہ انہوں نے ثریا کو کمرے میں داخل ہوتے دیکھا پھر انہیں کچھ یاد نہیں کہ ان پر کیا گزری اور اب ان کی آنکھ اس نامانوس کمرے میں کھلی۔ جہاں ایک پُراسرار آواز انہیں یقین دلا رہی ہے کہ وہ مر کر زندہ ہوئے ہیں۔

"سر رحمان بس کس سوچ میں ڈوب گئے ——؟ تم واقعی مر چکے ہو —— اگر یقین نہیں آ رہا تو میز کی دراز کھول کر اخبار نکال لو اور خود اپنی آنکھوں سے اپنے جنازے اور اپنی لاش کی تصویر دیکھ لو"۔

سر رحمان نے پھرتی سے میز کی دراز کھولی۔ وہاں مختلف اخبارات کا ایک بنڈل موجود تھا۔ سر رحمان نے جب اخبارات پر نظر ڈالی تو ان کی آنکھیں پریشانی خوف اور حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ واقعی وہاں اخباروں نے ان کی موت کی خبریں شہ سرخیوں سے شائع کی ہیں۔ پھر ان کی لاش کے فوٹو اور جنازے کے فوٹو بھی موجود تھے۔ جنازے میں عمران، سر سلطان اور دیگر افسران صاف پہچانے جاتے تھے۔

"یہ کیا چکر ہے" ——؟ سر رحمان کا دماغ چکرانے لگا۔ انہوں نے اپنی ران پر چٹکی بھری کہ کہیں میں خواب تو نہیں دیکھ رہا۔

"نہیں سر رحمان! —— تم خواب نہیں دیکھ رہے —— یہ ایک حقیقت ہے کہ تم قانوناً مر چکے ہو۔ مگر اب زندہ ہو" —— پُراسرار آواز نے انہیں یقین دلاتے ہوئے کہا۔

"لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے" ——؟ سر رحمان کو اب تک یقین نہیں آ رہا تھا۔

"میرے لیے یہ سب کچھ بالکل آسان ہے —— تمہیں رات کو سونے سے پہلے دودھ دینے والا میرا آدمی تھا۔ دودھ میں تمہیں ایک مخصوص دوا دی گئی تھی جس سے تمہارے دل کی حرکت بند ہو گئی۔ تمہیں سرکاری طور پر مردہ قرار دے کر دفن کر دیا گیا —— ہم نے تمہاری لاش قبر سے نکال لی اور اس دوا کا اثر دور کر دیا۔ تمہارا دل پھر کام کرنے لگا اور اب تم زندہ ہو"۔

"لیکن ایسا کیوں کیا گیا ——؟"

"اس کی تہہ میں میرا ایک خاص مقصد ہے جس کا تمہیں خود بخود پتہ چل جائے گا —— ابھی میں کچھ نہیں بتا سکتا"۔

"لیکن تم کون ہو" ——؟

"یہ بھی تمہیں پتہ چل جائے گا —— فی الحال تم مجھے باس کہہ کر پکار سکتے ہو"۔

"مگر میں کسی کو باس کہنے کا عادی نہیں ہوں" —— سر رحمان کا چنگیزی خون جوش میں آگیا۔

"اب تمہیں عادی ہونا پڑے گا سر رحمان" —— پُراسرار باس کی کرخت آواز سنائی دی۔

سر رحمان کو اچانک اپنا سر گھومتا ہوا محسوس ہوا۔ انہوں نے دیکھا کہ کمرہ نیلے رنگ کی گیس سے بھرنا شروع ہو گیا تھا۔ انہوں نے سانس روکنے کی کوشش کی لیکن بے سود۔ چند ہی لمحوں بعد وہ بے ہوش ہو کر دوبارہ میز پر گر گئے۔

تھوڑی دیر بعد دروازہ کھلا اور مارٹن کمرے میں داخل ہوا۔ اس نے بے ہوش سر رحمان کو اپنی کمر پر لادا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ اور مختلف کمروں سے گزرتا ہوا وہ ایک کمرے کے سامنے رک گیا۔ اس نے دروازہ کھولا اور پھر کمرے کے درمیان موجود ایک پلنگ پر سر رحمان کو لٹا دیا اور کمرے سے باہر نکل کر دروازہ بند کر دیا۔

اور پھر وہ مختلف کمروں سے ہوتا ہوا دوبارہ اُسی کمرے میں داخل ہوا جہاں اس کا پُراسرار باس موجود تھا۔

"پہنچا آتے ـــــ؟" باس نے پوچھا۔

"یس باس" ـــــ مارٹن نے سر جھکا کر مودّبانہ لہجے میں جواب دیا۔

"ٹھیک ہے ـــ یہ بتاؤ کہ آپریشن کے انتظامات کر لیے گئے ہیں یا نہیں"؟ باس نے دوسرا سوال کیا۔

"جی ہاں باس! ـــ سب انتظامات مکمل ہیں ـــ ایک ہزار آدمی آپریشن کے لیے تیار ہیں"۔

"انہیں اسلحہ دے دیا گیا ہے یا نہیں" ـــ؟

"جی ہاں باس! ـــ انہیں زیرو تھری دیکر اس کا طریقہ استعمال بھی سمجھا دیا گیا ہے"۔

"ٹھیک ہے ـــ کل یہ آپریشن کامیابی سے انجام پذیر ہونا چاہیئے"۔

"ایسا ہی ہوگا باس" ـــ مارٹن نے اسی طرح مودّبانہ لہجے میں جواب دیا۔

"عمران کے متعلق کیا رپورٹ ہے" ـــ؟ باس نے سوال کیا۔

"نمبر الیون اس کی طرف گیا ہوا ہے ـــ اُمید ہے کہ اُسے کامیابی ہوگی" مارٹن نے جواب دیا۔

"مارٹن! ـــ اگر نمبر الیون کامیاب ہو جائے تو سمجھو کہ ہم آدھی کامیابی حاصل کر چکے ہیں" ـــ باس کے لہجے میں اشتیاق تھا۔

"باس! ـــ اگر اجازت ہو تو ایک بات پوچھوں" ـــ؟ مارٹن کی منمنی سی آواز التجا سے بھرپور تھی۔

"پوچھو" ـــ باس نے اجازت دیتے ہوئے کہا۔

"باس! ـــ عمران کی اس ملک میں کیا پوزیشن ہے ـــ؟ اور صرف ایک آدمی ہماری تنظیم کے لیے کیسے خطرناک ہو سکتا ہے" ـــ؟ مارٹن نے سوالیہ لہجے میں کہا۔

"مارٹن! ـــ تم اس ملک میں پہلی بار آئے ہو۔ اس لیے تم عمران کو نہیں جانتے۔ میرا ایک بار پہلے بھی عمران سے واسطہ پڑ چکا ہے۔ میں اُسے اچھی طرح جانتا ہوں ـــ بظاہر عمران کی ایک مسخرے سے زیادہ کوئی اہمیت نہیں۔ لیکن وہ ہماری تنظیم کے لیے ایٹم بم سے بھی زیادہ خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ اسی لیے میں نے آپریشن شروع کرنے سے پہلے عمران کا بندوبست کرنا مناسب سمجھا ہے۔ میں نے عمران کے والد سر رحمان کو قانونی طور پر مردا کر دوبارہ زندہ کر لیا ہے اب سر رحمان میرے پاس بطور یرغمال موجود ہیں۔ جہاں بھی عمران ہمارے لیے خطرناک ثابت ہونے لگا۔ وہاں ہم اس کے والد کو بطور چارہ استعمال کریں گے"۔ باس نے مارٹن کو تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

"لیکن کیا عمران کو قتل نہیں کرایا جا سکتا ـــ؟ یا سر رحمان کو ویسے اغوا کر لیا جاتا" ـــ؟ مارٹن نے مزید سوال کیے۔

"مارٹن! ـــ اگر سر رحمان کو اغوا کیا جاتا تو اب تک عمران ہمارے اڈوں تک پہنچ چکا ہوتا ـــ اب تو عمران مطمئن ہے ـــ رہی بات عمران کے قتل کرنے کی تو وہ تمہارے ذمے ہے۔ تم اُسے قتل کرو گے" ـــ باس نے ہلکا سا مسکراتے ہوئے کہا۔

"شکریہ باس! ـــ آپ نے یہ کام میرے ذمے لگا کر مجھے دلی مسرت بخشی ہے ـــ اب عمران میرے ہاتھوں سے نہیں بچ سکتا" ـــ مارٹن نے خوشی سے کلکاری مارتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے ۔ اب تم جاؤ اور کل کے آپریشن کو آخری شکل دو ——— اس آپریشن کو ہر قیمت پر کامیاب ہونا چاہیے" ——— باس نے حکم دیا اور مارٹن سر جھکائے باہر نکل گیا۔

باس نے میز پر لگا ہوا ایک بٹن دبایا اور دروازہ بند ہو گیا۔ اور پھر اس نے منہ اور سر پر لپٹا ہوا نقاب اتارا اور پھر اپنے گنجے سر پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

کیپٹن شکیل جولیا کا ٹیلیفون ملتے ہی عام آدمی کے لباس میں اپنے فلیٹ سے نکلا اور تھوڑی دیر بعد وہ کابل مارکیٹ میں گھوم رہا تھا۔ اس نے پتلون اور قمیض پہن رکھی تھی اور اس کی عقابی نظریں وہاں گھومنے والے بھکاریوں کا جائزہ لینے میں مصروف تھیں لیکن ابھی تک اسے کسی بھکاری پر بھی کوئی شک نہیں پڑا۔

کافی دیر تک گھومنے کے بعد وہ ایک چھوٹے سے کیفے میں جا کر بیٹھ گیا اور اس کی کرسی دروازے کے بالکل سامنے تھی۔ جہاں سے وہ بازار کے سامنے کے رخ کا اچھی طرح نظارہ کر سکتا تھا۔

کیپٹن شکیل نے چائے کا آرڈر دیا اور خود بیٹھ کر بازار کا نظارہ کرنے لگا۔ بیرے نے چائے کا ایک کپ لا کر اس کے سامنے رکھ دیا۔ اس نے چائے کا ایک گھونٹ لیا۔ اُسے اس چائے کا ذائقہ کچھ عجیب سا لگا۔ اس نے کپ میز پر رکھا

اور خود اس کیس پر غور کرنے لگا جس کے تحت وہ بھکاریوں کا جائزہ لیتا پھر رہا تھا۔ اسے اس کیس کی ابجد بھی معلوم نہیں تھی بس اچانک ہی جولیا کا ٹیلیفون آیا کہ بھکاریوں کو چیک کیا جائے اور اگر کوئی بھکاری میک اپ میں محسوس ہو تو اس کا تعاقب اور نگرانی کی جائے لیکن اُسے ابھی تک ایسا کوئی بھکاری نظر نہیں آیا تھا جس پر وہ میک اپ کا شک کرتا۔

"اگر آپ چائے نہیں پیتے تو میں پی لوں" ——— ؟ اچانک کیپٹن شکیل کے کانوں سے ایک آواز ٹکرائی اور اس نے بے اختیار سر اٹھا کر دیکھا۔ ایک قبول صورت نوجوان اس کی کرسی کے سامنے کھڑا مسکرا رہا تھا۔

"تشریف رکھیے" ——— کیپٹن شکیل نے سپاٹ لہجے میں اُسے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور وہ نوجوان بیٹھ گیا۔

"مجھے رضوی کہتے ہیں" ——— اس نے اپنا تعارف کرایا۔

"میرا نام فیروز ہے" ——— کیپٹن شکیل نے بھی اپنا فرضی نام بتلایا۔

کیپٹن شکیل نے بیرے کو بلا کر رضوی کے لیے چائے کا آرڈر دیا۔

"آپ کیا شغل کرتے ہیں" ——— ؟ رضوی نے قدرے بے تکلف ہوتے ہوئے پوچھا۔

"انڈے بیچا کرتا ہوں" ——— کیپٹن شکیل نے اکتا کر جواب دیا اور نوجوان کا بے اختیار قہقہہ نکل گیا۔

"آپ ہنس کیوں رہے ہیں" ——— ؟ کیپٹن شکیل نے سپاٹ چہرہ لیے ہوئے اُسے سوالیہ نظروں سے دیکھا اور وہ نوجوان ہنستے ہنستے یک لخت یوں خاموش ہو گیا جیسے چابی ختم ہونے پر الارم رک جاتا ہے۔

"آپ مذاق کر رہے ہیں" ——— نوجوان نے کیپٹن شکیل کے پُروقار چہرے کی طرف

دیکھتے ہوئے کہا۔

"اس میں مذاق والی کونسی بات ہے ۔۔۔؟ کیا انڈے بیچنا بُری بات ہے۔۔۔؟" کیپٹن شکیل نے اپنے لہجے میں مزید سنجیدگی پیدا کرتے ہوئے کہا۔

اور وہ نوجوان گو مگو کے عالم میں کیپٹن شکیل کے منہ کو دیکھتا رہ گیا کہ اب کیا کہے اور کیا نہ کہے۔ اتنے میں بیرے نے چائے کی ٹرے لاکر رکھ دی۔ کیپٹن شکیل چائے بنانے میں مصروف ہوگیا اور اس نوجوان نے بات ٹلتے دیکھ کر اطمینان کی طویل سانس لی۔

"لیجیے چائے پیجیے" ۔۔۔ کیپٹن شکیل نے چائے کی پیالی اس کی طرف سرکاتے ہوئے کہا۔

"شکریہ!" ۔۔۔ نوجوان نے قدرے جھینپتے ہوئے کہا اور پیالی لے لی۔

تھوڑی دیر تک خاموشی طاری رہی۔ کیپٹن شکیل سوچ رہا تھا کہ اس نوجوان کا حدود اربعہ کیا ہے۔ اور کیا اس کا میری میز پر آکر بیٹھنے کی کوئی خاص وجہ ہے یا ویسے ہی وہ آکر بیٹھ گیا ہے۔

"فیروز صاحب! ۔۔۔ ایک بات پوچھوں ۔۔۔ اُمید ہے کہ آپ صحیح جواب دیں گے۔" نوجوان نے اچانک چائے پیتے پیتے بڑی سنجیدگی سے پوچھا۔

"پوچھیے" ۔۔۔ کیپٹن شکیل نے چونکتے ہوئے کہا۔

"آپ صبح سے بھکاریوں کو غور سے دیکھتے پھر رہے ہیں ۔۔۔ کیا میں اس کی وجہ پوچھ سکتا ہوں" ۔۔۔؟ نوجوان نے بڑے پُراسرار انداز میں پوچھا اور کیپٹن شکیل کی آنکھوں میں ایک لمحے کے لیے الجھن تیر گئی۔

"آپ کے دماغ میں یہ خیال کیسے آگیا" ۔۔۔؟ کیپٹن شکیل کا لہجہ قدرے سخت تھا۔

"میں نے بازار میں خود دیکھا ہے" ۔۔۔ رضوی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

کیپٹن شکیل کو اچانک نامعلوم خطرے کا احساس ہونے لگا اور اس نے آہستہ آہستہ

جیب میں ہاتھ ڈالنا چاہا۔

"فیروز صاحب! ۔۔۔ جیب میں ہاتھ ڈالنے کی کوشش نہ کریں ۔۔۔ آپ ذرا اپنے چاروں طرف ایک نظر دوڑا لیں" ۔۔۔ نوجوان کا لہجہ انتہائی پُراسرار تھا۔

کیپٹن شکیل نے غیر ارادی طور پر اِدھر اُدھر دیکھا اور اُسے ساتھ والی میزوں پر خطرناک شکلوں والے چار پانچ آدمی نظر آئے جو اُسے بڑی کڑی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ کیپٹن شکیل پھنس چکا تھا لیکن اس کا چہرہ بدستور سپاٹ تھا۔ اس نے ایک طویل سانس لی اور رضوی کو دیکھنے لگا۔

رضوی کی نظروں میں تمسخرانہ جھلک نمایاں تھی۔ جیسے وہ کیپٹن شکیل کو پھنسا کر لطف اندوز ہو رہا ہو۔

"اب تم میرے سوالوں کا جواب دو" ۔۔۔ رضوی نے قدرے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

"اگر نہ دوں تو" ۔۔۔؟ کیپٹن شکیل کے لہجے میں اطمینان تھا۔

"تم جانتے ہو کہ ہم کیا کر سکتے ہیں" ۔۔۔ رضوی نے کیپٹن شکیل کے خلاف توقع اطمینان پر جھلا کر کہا۔

"کیا کر سکتے ہو" ۔۔۔؟ کیپٹن شکیل کا لہجہ سخت ہوگیا۔

"صرف ایک گولی کافی ہوگی" ۔۔۔ رضوی نے کہا۔

"گولی مجھ پر اثر انداز نہیں ہوتی مسٹر رضوی" ۔۔۔ کیپٹن شکیل نے رضوی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

"تم خاموشی سے اٹھ کر ہمارے ساتھ چلو" ۔۔۔ رضوی اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ اب اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا ریوالور نظر آرہا تھا۔ اس کے اٹھتے ہی ارد گرد کی میزوں سے چار آدمی بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔

کیپٹن شکیل بڑے اطمینان سے کھڑا ہوگیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ساتھ جاتے یا

لڑ بھڑ کر حساب برابر کر دے۔ لیکن پھر اس نے فیصلہ کیا کہ ساتھ جانا زیادہ بہتر رہے گا تاکہ ان کے کسی اڈے کا پتہ چل سکے۔

"چلو"۔۔۔ اس نے اطمینان سے کہا۔

کیپٹن شکیل کے اٹھتے ہی اردگرد والے لوگ اس کے پہلو سے آ لگے۔

"باہر چلو"۔۔۔ ان میں سے ایک نے سخت لہجے میں کہا۔ اور کیپٹن شکیل چپ چاپ باہر کی طرف مڑ گیا۔

کیفے سے نکل کر تھوڑی دور ہی فٹ پاتھ کے ساتھ ایک ہلکے سبز رنگ کی کار موجود تھی۔ کیپٹن شکیل کو اس میں سوار کر دیا گیا۔ اور اس کی جیب سے ریوالور بھی نکال لیا گیا۔ اور پھر کار تیزی سے سڑکوں پر بھاگنے لگی۔

"بات سنو مسٹر"۔۔۔ ایک کرخت سی آواز گونجی۔ اور جانے والے ایک ادھیڑ عمر شخص نے مڑ کر دیکھا۔ اُسے اپنے پیچھے ایک نوجوان مگر انتہائی مجہول صورت بھکاری نظر آیا جس کے سر کے بال بُری طرح بکھرے ہوئے تھے۔ چہرے پر پھوڑوں کے نشان تھے۔ کپڑے پھٹے ہوتے تھے اور آنکھوں میں ہلکی ہلکی نمی سی تیر رہی تھی۔

اُسے شدید حیرت ہوئی کہ بھکاری کیا کہنا چاہتا ہے۔

"کیا بات ہے"۔۔۔؟ اس کی آواز میں حیرت کے ساتھ ساتھ قدرے سختی بھی نمایاں تھی۔

"کیا تم خدا کو مانتے ہو"۔۔۔؟ بھکاری کا لہجہ بدستور کرخت تھا۔

"بالکل مانتا ہوں"۔۔۔ اب اُدھیڑ عمر آدمی کے لہجے میں صرف حیرت ہی تھی۔

"نہیں۔۔۔ تم جھوٹ بولتے ہو۔۔۔ تم خدا کو نہیں مانتے"۔۔۔ بھکاری کا لہجہ مزید کرخت ہو گیا۔

"تمہارا مطلب کیا ہے"۔۔۔؟ اس نے بھکاری کو ڈانٹ دیا۔

"اگر تم خدا کو مانتے ہو تو خدا کی ضمانت پر ایک روپیہ دو۔ آخرت میں تمہیں ستر مل جائیں گے"۔۔۔ بھکاری نے سوال کیا۔

"یہ بھیک مانگنے کا کونسا طریقہ ہے"۔۔۔؟ ادھیڑ عمر شخص چڑ گیا۔

"جدید نفسیات کی رُو سے یہ بھیک مانگنے کا بہترین طریقہ ہے"۔۔۔ بھکاری نے جواب دیا۔

"تم پڑھے لکھے ہو"۔۔۔؟ وہ شخص بھکاری کے الفاظ سے مرعوب ہو گیا۔

"اور کیا تمہیں جاہل نظر آ رہا ہوں"۔۔۔ بھکاری اکڑ گیا۔۔۔ "اگر جاہل ہوتا تو آج لوگوں کو بھیک دیتا پھرتا۔۔۔ نہ کہ وصول کرتا"۔

ادھیڑ عمر کا شخص اس چوٹ پر تلملا گیا۔ اس نے جان چھڑانے کے لیے جیب سے روپیہ نکالا اور بھکاری کی طرف بڑھا دیا۔

بھکاری روپیہ لینے کی بجائے دوسری طرف مڑ کر چلنے لگا۔ جیسے اس نے کوئی بات ہی نہ کی ہو۔

وہ شخص حیرت سے بُت بنا روپیہ ہاتھ میں لیے اُسے دیکھتا رہا اور پھر اس نے روپیہ جیب میں ڈالا اور بڑبڑاتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ وہ یقیناً بھکاری کو پاگل سمجھ رہا تھا۔ کیونکہ اب بھکاری نے ایک اور نوجوان کو گھیر لیا تھا۔

اچانک بھکاری کی نظر پاس سے گذرنے والی ایک سبز رنگ کی کار پر پڑی۔ اور وہ

یکدم مڑا اور دوسرے لمحے وہ ایک گلی میں مڑ گیا۔ گلی تاریک تھی۔ گلی میں مڑتے ہی وہ بھاگنے لگا۔

چند لمحے بعد وہ بھکاری اندھیری گلی میں کھڑے ہوئے ایک موٹر سائیکل کے پاس پہنچ کر رک گیا۔ موٹر سائیکل کے ساتھ لٹکے ہوئے بیگ میں سے اس نے پھرتی سے اوور کوٹ نکال کر پہنا اور پھر ہیٹ نکال کر سر پر پہن لیا۔ اوور کوٹ کے کالر کھڑے کیے اور موٹر سائیکل کو کک لگا کر سٹارٹ کیا اور دوسرے لمحے موٹر سائیکل طوفانی رفتار سے بھاگتی ہوئی گلی سے نکلی اور سڑک پر دوڑنے لگی۔

اب موٹر سائیکل پر بیٹھے ہوئے شخص کو دیکھ کر کوئی پہچان نہیں سکتا تھا کہ یہ وہی مجہول صورت بھکاری ہوگا۔ یہ سڑک شہر سے باہر جانے والی تھی اور بیس میل تک سیدھی چلی گئی تھی۔ موٹر سائیکل طوفانی رفتار سے اڑی چلی جا رہی تھی۔

تقریباً بیس منٹ بعد موٹر سائیکل سوار کو وہ سبز رنگ کی کار دور جاتی ہوئی نظر آگئی اب اس نے رفتار آہستہ کر دی اور کار کا تعاقب کرنا شروع کر دیا۔

کار اب شہر سے نکل کر مضافات سے گذر رہی تھی۔ کار کی رفتار اچھی خاصی تیز تھی۔ تھوڑی دور جا کر کار ایک بائی روڈ پر مڑ گئی۔ یہ سڑک ایک چھوٹے سے قصبے میں بس جاتی تھی۔ سڑک سے تقریباً ایک میل کے فاصلے پر وہ قصبہ تھا۔

موٹر سائیکل سوار نے سڑک کے موڑ پر ایک درخت کے نیچے پہنچ کر موٹر سائیکل روک دی۔ اس نے اوور کوٹ اور ہیٹ اتار کر دوبارہ تھیلے میں ڈالا اور پھر قصبے کی طرف چل پڑا۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا چل رہا تھا۔ کہ اچانک ایک کتا بھونکتا ہوا اس کی طرف لپکا اور پھر تو جیسے کتوں کا ہجوم الٹ پڑا ہو۔ قسم قسم کے کتے بھونکتے ہوئے اس کے گرد اکٹھے ہو گئے۔ اور وہ ٹھٹھک کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے رکتے ہی کتے بھی اس کے قریب آکر رک گئے۔ اور پھر انہوں نے زور زور سے بھونکنا شروع کر دیا

کتوں نے اس کا محاصرہ کر رکھا تھا اور بھکاری کی آنکھوں میں الجھنیں تیر رہی تھیں۔

"ارے کم بختو!۔۔۔ میں نے کوئی تم سے خیرات مانگی ہے جو تم یوں شور مچا مچا کر اپنی فیاضی کا رعب مجھ پر جھاڑ رہے ہو"۔۔۔ بھکاری نے ہاتھ نچا نچا کر انہیں ڈانٹنا شروع کر دیا۔

اتنے میں دو چار کسان وہاں سے گذرے تو انہوں نے کتوں کو ڈانٹ ڈپٹ اور ڈنڈے مار کر بھکاری کو کتوں سے نجات دلائی۔

"کہاں جانا ہے بھائی"۔۔۔؟ ایک کسان نے پوچھا۔

"اپنی خالہ کے گھر"۔۔۔ بھکاری نے آنکھیں جھپکاتے ہوئے جواب دیا۔

"کونسی ہے تمہاری خالہ"۔۔۔؟ کسان نے حیرت آمیز لہجے میں پوچھا۔

"بالکل تمہاری ہم شکل ہے"۔۔۔ بھکاری نے بڑی معصومیت سے جواب دیا۔

اور دوسرے کسانوں نے زوردار قہقہہ مارا۔ اور پوچھنے والا جھینپ گیا۔

"پاگل ہے بیچارہ"۔۔۔ جھینپ مٹانے کی خاطر کسان نے کہا اور وہ ہنستے ہوئے آگے بڑھ گئے۔

"خس کم جہاں پاک۔۔۔ کتوں سے نجات ملی تو انہوں نے انٹرویو لینا شروع کر دیا"۔۔۔ بھکاری بڑبڑا رہا تھا۔ پھر وہ کچی سڑک پر کار کے ٹائروں کے نشان دیکھتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

مختلف گلیوں سے گذرنے کے بعد اس نے کچے سے مکان کے ساتھ وہ کار کھڑی دیکھی۔ مکان کا دروازہ بند تھا۔ گلی سنسان تھی۔

بھکاری نے مکان کے ارد گرد کی پوزیشن کا اندازہ لگایا مگر اس مکان کے ارد گرد تینوں طرف دوسرے مکان ملے ہوئے تھے۔ اب صرف سامنے کی دیوار اور دروازہ

تھا جس کے ذریعے اگر وہ اندر جانا چاہتا تو جا سکتا تھا۔

بھکاری نے ایک لمحے کے لیے اِدھر اُدھر دیکھا اور وہاں کسی کو نہ پاکر اس نے ایک آنکھ دروازے کی جھری کے ساتھ لگا دی۔ سامنے ایک کچا سا صحن تھا۔ اور صحن کے آگے برآمدہ اور برآمدے کے پار اُسے کسی کمرے کا دروازہ نظر آ رہا تھا جو بند تھا۔ اس نے دیوار کی بلندی کا اندازہ لگایا اور پھر ایک لمحے کے لیے رک کر دروازے کا کنڈا پکڑ کر بندروں کی طرح دروازے پر چڑھتا ہوا دیوار پر پہنچ گیا۔ اس وقت بھکاری انتہائی پھرتیلا نظر آ رہا تھا جیسے اس کے جسم میں پارہ بھرا ہوا ہو۔ دوسرے لمحے ایک ہلکا سا دھماکا ہوا اور وہ بھکاری اندر کود گیا۔ چند لمحے ایک جگہ وہ دم سادھے کھڑا رہا۔ لیکن جب اس دھماکے کا کوئی ردعمل نہ ہوا تو وہ دبے قدموں صحن پار کرکے برآمدے سے گذر کر دروازے کے ساتھ کان لگا دیئے۔ لیکن دوسری طرف خاموشی پاکر اس نے دروازے کو دبایا تو دروازے کے دونوں پٹ بغیر کوئی آواز پیدا کئے کھلتے چلے گئے۔

یہ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا جو ہر قسم کے سامان سے بے نیاز تھا۔ بھکاری اندر داخل ہو گیا۔ اس نے بغور چاروں طرف دیکھا۔ سامنے ہی ایک اور دروازہ تھا۔ وہ بھی صرف دبانے سے کھل گیا اور پھر جب بھکاری کمرے میں داخل ہوا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اس کمرے میں ٹوٹی پھوٹی چارپائیوں، اور گرد گندے کپڑے اور میلی رضائیاں بکھری پڑی تھیں۔ یہ کمرہ ہر لحاظ سے بھکاریوں کا مسکن نظر آ رہا تھا اور پھر اس کمرے میں اور کوئی دروازہ نہ تھا۔ وہ حیرت سے چاروں طرف دیکھتا رہا کہ اب کہاں جائے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیا وہ کسی غلط مکان میں آ گیا ہے۔ آخر وہ کار والے کہاں غائب ہو گئے ——؟ اچانک اُسے ایک ہلکا سا کھٹکا سنائی دیا اور وہ پھرتی سے ایک ٹوٹی ہوئی چارپائی کے نیچے گھس گیا۔ پھر سامنے والی دیوار کا کچھ حصہ ایک طرف

ہٹتا چلا گیا۔ اب وہاں خلا تھا۔

دوسرے لمحے ایک دیو ہیکل، لمبا تڑنگا اور انتہائی قابلِ رشک صحت کا مالک نوجوان باہر آیا۔

چارپائی جس کے نیچے بھکاری چھپا ہوا تھا۔ اس خلا کے عین سامنے تھی۔ وہ قوی ہیکل نوجوان جیسے ہی باہر نکلا۔ اچانک اس کی نظر سامنے پڑی ہوئی چارپائی کے نیچے پڑی۔ وہ ایک لمحے کے لیے حیرت زدہ رہ گیا۔ دوسرے لمحے اس نے پھرتی سے جیب سے ریوالور نکال لیا۔

"کون ہو تم —— ؟ باہر نکل آؤ" —— اس کی آواز اس کے جسم کے برعکس باریک اور منمنی سی تھی۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے کوئی چوہا چیں چیں کر رہا ہو۔

بھکاری نے دیکھ لیے جانے پر ایک ٹھنڈی سانس لی اور پھر چارپائی سے باہر نکلنے لگا مگر ٹوٹی ہوئی چارپائی کے بازو سے اس کا کپڑا پھنس گیا۔ اس نے باہر نکلنے کے لیے زور لگایا تو چارپائی بھی ساتھ گھسٹتی چلی آئی۔ وہ منمنی آواز والا قوی ہیکل نوجوان اس مضحکہ خیز پوزیشن پر بے اختیار ہنس پڑا۔ بھکاری نکلنے کے لیے جتنا زور لگاتا، چارپائی اتنی ہی گھسٹ کر آگے آ جاتی۔ اپنی بے بسی پر بھکاری کا چہرہ رونے کے قریب ہو گیا۔

اب چارپائی کمرے کے درمیان پہنچ چکی تھی اور ظاہر ہے کہ چارپائی کے ساتھ بھکاری بھی۔

اور پھر اس سے پہلے کہ وہ نوجوان کچھ کرتا۔ بھکاری نے ہاتھ بڑھا کر اچانک نوجوان کی ایک ٹانگ کھینچ لی اور وہ دھڑام سے فرش پر آ گرا، اور ریوالور اس کے ہاتھ سے نکل کر ایک طرف جا گرا۔

اب بھکاری اچانک سیدھا کھڑا ہو گیا۔ چارپائی پیچھے الٹ گئی تھی۔ اور پھر بھکاری

نے پھرتی سے ریوالور اٹھالیا۔

"اب خاموشی سے کھڑے ہو جاؤ" ـــــ بھکاری نے سرد لہجے میں نوجوان کو حکم دیا۔ جو اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

بھکاری نے چارپائی میں کپڑا اچانک پھنس جانے سے پورا پورا فائدہ اٹھایا تھا۔

وہ نوجوان اب بے بسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

مگر دوسرے لمحے ریوالور بھکاری کے ہاتھ سے نکلتا چلا گیا۔

"مہنگائی ختم کرو"

"ہمیں روٹی کپڑا مہیا کرو"

"موجودہ حکومت مردہ باد"

"انقلاب ـ انقلاب"

"ہم اپنی عزت کا انتقام لیں گے"

"لوٹ لو ـ مار ڈالو"

"ہائے ـ ہائے"

دار الحکومت کا مین بازار اچانک ان خوفناک تخریبی نعروں سے گونج اٹھا۔ اور مین بازار میں سے نکلنے والی ہر گلی سے بھکاریوں کے گروہ کے گروہ مین بازار میں جمع ہونے لگے اور چند ہی لمحوں بعد عجیب وضع کے بھکاریوں سے تمام بازار بھر گیا۔

یہ ایک بہت بڑا جلوس تھا جس کے تمام تر شرکا بھکاری تھے۔ عجیب و غریب ہیئت۔ ننگے۔ پیوند زدہ۔ وحشت زدہ پاگلوں کی طرح اچھل اچھل کر یہ خوفناک نعرے لگا رہے تھے۔

مین بازار بڑی بڑی دکانوں پر مشتمل تھا۔ جن کے اندر کروڑوں روپے کا سامان بھرا ہوا تھا۔ بازار گاہکوں سے بھرا ہوا تھا۔ تمام لوگ سائیڈوں میں ہٹ گئے اور دکانداروں سمیت تمام لوگ دلچسپی سے اس منفرد جلوس کو دیکھنے لگے۔

"لوٹو ـــــ مارو ـــــ آگ لگا دو ان سرمایہ داروں کو" ـــــ اچانک جلوس سے ایک زوردار نعرہ گونجا۔

اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے بازار میں بھاگ دوڑ مچ گئی۔ بھکاری دیوانہ وار دکانوں میں گھس گئے اور انہوں نے لوٹ مار شروع کر دی۔ لوٹ مار کے ساتھ ہی اچانک چند بھکاریوں نے ہاتھ میں پکڑے ہوئے تھیلوں میں سے ریوالور نکال لیے اور پھر پورا بازار فائرنگ سے گونج اٹھا۔ اس ساتھ ہی چیخوں اور کراہوں کا ایک طوفان اٹھا۔ اور پھر دکانوں سے آگ کے شعلے بلند ہونے لگے۔ سارے بازار میں ایک خوفناک ادھم مچ گیا تھا۔

نجانے کس کو اس افراتفری میں بھی پولیس کو فون کرنا یاد رہا۔ اور پھر تقریباً پندرہ منٹ بعد مین بازار کے اردگرد پولیس کی گاڑیوں کے سائرن چیخ چیخ کر اپنی آمد کا اعلان کرنے لگے۔ اور پھر پولیس کے دستے رائفلیں اٹھائے مین بازار میں گھس آئے۔

سائرنوں کی آواز ہوتے ہی بازار میں ہونے والی بے تحاشہ فائرنگ اچانک رک گئی اور لوٹ مار کرنے والے بھکاری نزدیکی گلیوں میں بھاگنے لگے۔

اس وقت جب پولیس کے دستے مین بازار میں گھسے۔ بازار میں کوئی بھکاری نظر نہ آرہا تھا۔ ہر طرف مردہ اور زخمی مرد، عورتیں اور بچے پڑے ہوئے تھے۔ تمام سڑک

پرخون پھیلا ہوا تھا اور آگ پوری تیزی سے مختلف دکانوں کو اپنی لپیٹ میں لے رہی تھی۔

چند لمحوں بعد وہاں فائر بریگیڈ اور ایمبولینس گاڑیاں پہنچ گئیں اور زخمیوں اور لاشوں کو تیزی سے ایمبولینس گاڑیوں میں ڈال کر ہسپتال پہنچایا جانے لگا۔ مین بازار میں پولیس ہی پولیس پھیل گئی۔ پولیس کے بہت سے دستے مختلف گلیوں میں بھکاریوں کے پیچھے بھاگنے لگے۔ مگر بھکاری تو اس طرح غائب ہو گئے تھے جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔

فائر بریگیڈ والے آگ کے غضب ناک دیوتا سے لڑائی میں مصروف ہو گئے تھے۔ چاروں طرف ایک عجیب خوفناک سماں تھا۔

پھر وہاں پولیس کے اعلیٰ افسران، کمشنر، ڈپٹی کمشنر اور اعلیٰ سرکاری حکام کا ایک جمگھٹا لگ گیا۔ پریس رپورٹروں کے قلم اور پریس فوٹو گرافروں کے کیمرے تیزی سے اپنا کام کرنے لگے۔

اس لوٹ مار اور ہنگامے کی خبر تمام شہر میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ اور سارے شہر کے لوگ یہ خوفناک اور روح فرسا منظر دیکھنے کے لیے مین بازار کی طرف الٹ پڑے۔

بہت سے لوگ اپنے عزیزوں کا جو بازار میں شاپنگ کے لیے آئے ہوئے تھے پتہ کرنے کے لیے آئے تھے۔ چاروں طرف رونا پیٹنا پڑا ہوا تھا۔ پولیس کو ان لوگوں کا روکنا بھی ایک عذاب بن گیا۔ لوگوں کے جذبات بھکاریوں کے خلاف شدید ہو گئے۔ شہر میں موجود تمام بھکاری اپنے انجام کے متعلق سوچ کر نجانے کن کونوں کھدروں میں چھپ گئے تھے۔

لوگ بھکاریوں کو ڈھونڈ رہے تھے تاکہ اس لوٹ مار کا انتقام لیا جائے اور پھر

بعض جگہ پر کئی اپاہج اور غریب بوڑھے بھی اندھے انتقام کی لپیٹ میں آ گئے۔ اور لوگوں نے انہیں بھکاری سمجھ کر خوب مارا پیٹا۔ یہ انتقامی قتل و غارت پھیلنے لگی۔ چنانچہ حکام نے فوری طور پر دارالحکومت میں کرفیو نافذ کر دیا۔

صفدر جولیا کا ٹیلیفون سنتے ہی فلیٹ سے نکل کھڑا ہوا۔ تھوڑی دیر بعد وہ مین بازار میں پہنچ گیا۔

مین بازار دارالحکومت کا اہم شاپنگ سنٹر تھا۔ اس لیے وہاں گاہکوں کی کثرت کے ساتھ ساتھ بھکاریوں کی تعداد بھی کافی تھی۔

صفدر مین بازار میں آہستہ آہستہ گھومتا ہوا پاس سے گذرنے والے بھکاریوں کو بغور دیکھنے لگا لیکن ابھی تک اُسے کسی پر بھی شک نہ پڑا۔ دوپہر کو اس نے مین بازار میں موجود ایک ہوٹل میں کھانا کھایا اور دوبارہ چیکنگ شروع کر دی۔

شام چار بجے کے قریب جب صفدر مایوس ہو کر واپسی کے متعلق سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ مین بازار میں نکلنے والی مختلف گلیوں سے خستہ حال بھکاریوں کے گروہ کے گروہ نکل کر مین بازار میں جمع ہونے لگے۔ اتنی تعداد میں بھکاریوں کو وہاں دیکھ کر صفدر حیرت زدہ رہ گیا۔

چند لمحوں بعد بھکاریوں کے اس جلوس نے تخریبی نعرے لگانے شروع کر دیئے اور پھر بازار میں لوٹ مار، فائرنگ اور آتشزدگی کی وارداتیں شروع ہو گئیں۔

صفدر کی جیب میں اتفاق سے ریوالور بھی نہیں تھا۔ اس لیے وہ فائرنگ سے بچنے کے لیے ایک کونے میں سکڑ گیا۔

تقریباً پندرہ منٹ تک بازار میں قتل و غارت اور لوٹ مار ہوتی رہی۔ بھکاری وحشیانہ انداز میں لوٹ مار اور فائرنگ کر رہے تھے۔

صفدر بے بسی سے ایک کونے میں کھڑا یہ دل سوز نظارہ دیکھ رہا تھا اور پھر اس کی نظریں ایک ایسے بھکاری پر جم گئیں جس کے کپڑے پھٹے ہوئے تھے۔ چہرے پر وحشت اور بربریت کا دور دورہ تھا۔ آنکھیں سرخ اور خوفناک انداز میں چمک رہی تھیں۔ اور وہ بھکاری سر سے گنجا تھا۔

اس وقت وہ گنجا بھکاری دونوں ہاتھوں میں ریوالور پکڑے بڑے وحشیانہ انداز میں چاروں طرف فائرنگ کر رہا تھا۔ صفدر دیکھ چکا تھا کہ یہ وہی بھکاری ہے جس کے نعرے پر بازار میں لوٹ مار شروع ہو گئی تھی۔ اس لیے وہ سمجھ گیا کہ یہ بھکاری ضرور اس جلوس کا کرتا دھرتا ہوگا۔ اور اب صفدر کی آنکھیں صرف اسی کی حرکات پر جمی ہوئی تھیں۔

پھر پولیس کی گاڑیوں کے سائرن بجنے کی آوازیں سنتے ہی بھکاری لوٹ مار چھوڑ کر تیزی سے گلیوں میں گھس کر بھاگنے لگے۔ صفدر کے ساتھ ہی ایک تنگ سی گلی تھی اور بھکاری اس میں گھس کر غائب ہو رہے تھے۔

صفدر کی نظریں گنجے بھکاری پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ اس کا تعاقب کرنا چاہتا تھا۔ اور پھر صفدر کی خوش قسمتی تھی کہ وہ گنجا بھکاری بھی اسی گلی میں گھس گیا۔ صفدر بھی خاموشی سے اس کے پیچھے گلی میں گھس گیا۔ گلی قدرے تاریک تھی۔ گنجا بھکاری گلی میں بڑی تیزی سے بھاگ رہا تھا۔ صفدر بھی اس کے پیچھے بھاگنے لگا۔

بھاگتے بھاگتے صفدر کے ذہن میں ایک خیال آیا اور دوسرے لمحے اس نے

اپنے گریبان میں ہاتھ ڈالا اور جبر سے گریبان پھاڑ دیا۔ اور سر کے بال پریشان کر دیئے۔ وہ بھاگتے بھاگتے ایک لمحے کے لیے رکا اور دوسرے لمحے اس نے اپنی پتلون کا ایک پائنچہ بھی پھاڑ دیا۔ اب وہ بھی ایک بھکاری معلوم ہوتا تھا۔

گلی کافی تنگ ثابت ہوئی تھی۔ اور پھر اچانک صفدر کے آگے بھاگنے والا گنجا بھکاری ایک مکان کے دروازے پر رکا اور پھر غڑاپ سے اندر گھس گیا۔ صفدر بھی بغیر جھجکے اس مکان کے اندر گھس گیا۔ دروازہ چونکہ کھلا ہوا تھا۔ اس لیے اسے اندر جانے میں کوئی دقت نہیں ہوئی۔ صفدر کے پیچھے بھی چند اور بھکاری اس مکان میں گھس آئے۔

دروازے کے اندر ایک طویل راہداری تھی۔ راہداری کے آخری کونے میں ایک اور دروازہ تھا۔ صفدر بھی گنجے بھکاری کے پیچھے بھاگتا ہوا اس دروازے میں غائب ہو گیا۔ اور پھر وہاں کا ماحول دیکھ کر صفدر کی عقل دنگ رہ گئی۔

یہ ایک بہت بڑا ہال تھا جس میں بھکاری ہی بھکاری جمع ہو گئے تھے۔ ان کی تعداد تقریباً ڈیڑھ سو کے قریب ہوگی۔ صفدر بھی ایک کونے میں گھس گیا۔ تھوڑی دیر بعد دروازہ بند کر دیا گیا۔

گنجا بھکاری ہال میں گھستے ہی ایک کونے کی طرف بڑھتا چلا گیا اور اس کونے میں بنے ہوئے ایک دروازے کو کھول کر اندر چلا گیا۔ سب بھکاری بری طرح ہانپ رہے تھے۔ شاید یہ بھاگنے کی وجہ تھی۔ بہت سے بھکاری فرش پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے چہرے دہشت سے سرخ ہو رہے تھے۔ ہال میں خاموشی طاری تھی۔ صرف بھکاریوں کے ہانپنے کی آوازیں ہی گونج رہی تھیں۔

چند لمحوں بعد دروازہ کھلا اور گنجا بھکاری باہر نکلا اور ہال کے ایک کونے میں بنے ہوئے چبوترے پر چڑھ گیا۔

"کیا سب ممبرز آگئے ہیں ۔۔۔ ؟" گنجے بھکاری کی گرجدار آواز گونجی۔

"جی ہاں! ۔۔۔ آ تو گئے ہیں شاید" ۔۔۔ بھکاریوں میں سے ایک نوجوان نے ہال پر نظر ڈالتے ہوئے جواب دیا۔

"دوستو! ۔۔۔ ہمارا پہلا آپریشن کامیاب ہوگیا ہے اور اس کے لیے میں تمام ممبروں کی ہمت اور محنت کی داد دیتا ہوں ۔۔۔ اب آپ اپنا اسلحہ واپس جمع کرادیں۔ اس کے بعد میں دوسری ہدایات دوں گا" ۔۔۔ گنجے بھکاری نے تمام بھکاریوں کی کارکردگی کی داد دیتے ہوئے کہا۔

اس کے بعد ایک نوجوان نے چبوترے پر چڑھ کر آوازیں لگانا شروع کردیں۔

"نمبر ایک" ۔۔۔ اور پھر ایک بھکاری نے آگے بڑھ کر اپنا ریوالور چبوترے پر رکھ دیا۔

"نمبر دو" ۔۔۔ اور پھر دوسرے نے ریوالور رکھ دیا۔

اس طرح وہ نوجوان چبوترے پر کھڑا نمبر پکارتا چلا گیا اور بھکاری اپنے اپنے نمبروں پر اسلحہ چبوترے پر رکھتے چلے گئے۔

صفدر سوچ رہا تھا کہ اب وہ کیا کرے ۔۔۔ ؟ اور پھر جب گنتی ایک سو پچیس پر پہنچی تو کوئی بھکاری آگے نہیں بڑھا۔

"تم اِدھر آؤ" ۔۔۔ بھکاری جو پاس کھڑا بڑی تیز نظروں سے ایک ایک کو گھور رہا تھا۔ صفدر کو اپنی طرف بلایا۔

صفدر نے سوچا کہ اب اس کی قلعی کھل جائے گی۔ بہرحال وہ آگے بڑھ آیا۔ تمام بھکاریوں کی نظریں اس پر مرکوز ہوگئیں۔ صفدر چبوترے کے پاس آکر رک گیا۔

"تمہارا کیا نمبر ہے" ۔۔۔ ؟ گنجے بھکاری نے تیز نظروں سے دیکھتے ہوئے

صفدر سے پوچھا۔

"پانچسو دس" ۔۔۔ صفدر نے بغیر رکے جواب دیا۔ اس نے سوچا تھا کہ اس ہال میں ایک سو پچیس بھکاری ہیں۔ اس طرح دوسری گلیوں میں بھی بھکاری گھسے تھے۔ تو یقیناً ان کے بھی نمبر ہوں گے اور صفدر یہ ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ وہ دراصل کسی اور اڈے سے تعلق رکھتا ہے اور غلطی سے اس اڈے میں آگیا ہے بہرحال اس پوزیشن میں یہ ایک نادر ترکیب تھی۔ جو ذہن میں آئی تھی۔

"تم یہاں کیسے آگئے ۔۔۔ ؟" گنجے بھکاری نے گرجتے ہوئے پوچھا۔

"بس جلدی میں ادھر آگیا ہوں ۔۔۔ گلی بھول گیا تھا" ۔۔۔ صفدر نے وضاحت آمیز لہجے میں جواب دیا۔

"تمہارا سیکٹر نمبر کیا ہے" ۔۔۔ ؟ گنجے بھکاری نے ایک اور سوال کیا۔

اب صفدر پھنس گیا تھا۔ جواب دینا بھی ضروری تھا۔ اس لیے اس نے فوری طور پر اندازہ لگایا کہ یہ سیکٹر نمبر ایک ہے اور یہاں کی تعداد سوا سو ہے تو پانچسو نمبر یقیناً سیکٹر نمبر چار ہوگا۔ اس لیے اس نے فوری طور پر جواب دیا۔

"نمبر چار"

شاید جواب ٹھیک تھا اس لیے گنجا بھکاری ایک لمحے کے لیے خاموش ہوگیا ایک لمحہ سوچنے کے بعد اس نے کہا۔

"تمہارا اسلحہ کہاں ہے" ۔۔۔ ؟

"وہ گر گیا تھا" ۔۔۔ صفدر نے آہستہ سے کہا۔

"ہوں ۔۔۔ تم میرے ساتھ چلو" ۔۔۔ اس نے مشکوک نظروں سے صفدر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اور پھر وہ ایک چھوٹے سے دروازے کی طرف چل پڑا۔ جہاں سے وہ باہر آیا تھا۔ صفدر بھی اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ صفدر جب دروازے

کے اندر گھسا تو اُسے معلوم ہوا کہ یہ کمرہ نہیں بلکہ ایک چھوٹی سی راہداری ہے جس میں مختلف کمروں کے دروازے تھے۔

گنجا بھکاری ایک دروازے پر رکا۔ پھر اس نے ہلکا سا دھکا دے کر دروازہ کھولا اور صفدر کو اندر چلنے کے لیے کہا۔ صفدر خاموشی سے اندر چلا گیا۔ یہ ایک خاصا وسیع کمرہ تھا۔ گنجا بھکاری صفدر کے اندر آنے کے بعد خود بھی اندر آیا اور پھر اس نے دروازہ بند کر دیا۔ صفدر خاموشی سے ایک طرف کھڑا ہو گیا۔

"اب بتاؤ تم کون ہو"۔۔۔؟ گنجا بھکاری اچانک ریوالور نکال کر بولا۔

"بتا تو چکا ہوں"۔۔۔ صفدر نے لاپرواہی سے کہا۔ اُسے اب اطمینان ہو گیا تھا کہ اب وہ اکیلے ہیں۔ وہاں مسئلہ دوسرا تھا۔ وہاں سوا سو آدمیوں سے لڑنا ناممکن تھا۔

"بتاؤ۔۔۔ ورنہ گولی مار دونگا"۔۔۔ گنجے بھکاری نے کرخت لہجے میں کہا۔ اس کی آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے۔

"بتا تو چکا ہوں اور کیا بتاؤں"۔۔۔ صفدر کے لہجے میں بدستور لاپرواہی تھی۔

"بکواس ہے"۔۔۔ گنجا بھکاری دھاڑا۔

"تم کیا چاہتے ہو"۔۔۔؟ صفدر نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا۔

"تم شرافت سے اپنی اصلیت بتلا دو۔۔۔ ورنہ۔۔۔!!" گنجا بھکاری غصے سے اپنا فقرہ مکمل نہ کر سکا۔

"ورنہ تم کیا کر لوگے"۔۔۔؟ صفدر اب کھُل گیا۔

"تم نے شاید ارد گرد نظر نہیں ڈالی۔ اسی لیے اکڑ رہے ہو"۔۔۔ گنجے بھکاری نے استفہامیہ انداز میں کہا۔

صفدر نے چونک کر اِدھر اُدھر نظر ڈالی۔ اُسے چاروں طرف دیواروں سے

رائفلوں کی نالیں نکلی ہوئی نظر آئیں۔

"میرے ایک اشارے پر تمہارے جسم میں کتنے سوراخ ہو جائیں گے"۔۔۔ گنجے بھکاری کا لہجہ چڑانے والا تھا۔

صفدر شش و پنج میں پڑ گیا کہ اب کیا کیا جائے۔۔۔؟

"لیکن تم نے اپنے پیچھے نظر نہیں ڈالی"۔۔۔ صفدر نے بھی جواباً وار کیا اور گنجا بھکاری غیر اختیاری طور پر چونک کر پیچھے دیکھنے لگا۔ یہ پرانی چال کارگر ہو گئی۔ اور گنجا بھکاری مار کھا گیا۔ اور اس کی نظر ہٹتے ہی صفدر اچھل کر بھکاری پر آ گرا۔ اس نے پھرتی سے اس کی گردن کے گرد بازو ڈال کر اُسے جکڑ لیا اور خود اس کے پیچھے آ گیا۔

مگر دوسرے لمحے گنجے بھکاری نے اپنے جسم کو ایک جھٹکا دیا اور اُڑتا ہوا عین کمرے کے درمیان میں آ گرا۔ گنجے بھکاری کے جسم میں گینڈے جیسی قوت تھی۔ اور دوسرے لمحے اس نے گولی چلا دی۔ صفدر نے بچنے کی بے انتہا کوشش کی لیکن وہ بچ نہ سکا۔ اس کے منہ سے ایک خوفناک چیخ نکلی اور پھر اس کی آنکھوں میں اندھیرا پھیلتا چلا گیا۔ شاید موت کا اندھیرا۔

کمرے میں ناگوار سی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ وہ چاروں اپنی اپنی کرسیوں پر بیٹھے گہری سوچوں میں غرق تھے۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے کسی نے کمرے

میں چارجت رکھ دیئے ہوں۔

چاروں افراد سیاہ لباسوں میں ملبوس تھے اور غیر ملکی تھے۔ ان کے درمیان پڑی ہوئی میز پر ایک گلدان رکھا ہوا تھا جو گلاب کے مصنوعی پھولوں پر مشتمل تھا۔ اچانک ایک پھول کی پنکھڑیاں آہستہ آہستہ بند ہونے لگیں اور وہ چاروں چونک کر اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اور پھر دوسرے لمحے اس پھول میں سے ایک بھاری آواز آئی۔

"ہیلو ہیڈ بگرز — ہیلو ہیڈ بگرز — باس سپیکنگ"۔

"یس باس — ہیڈ بگرز نمبر ون دس اینڈ سپیکنگ" — ان چاروں میں سے ایک نے جواب دیا۔

"ہیڈ بگرز نمبر ٹو آل سو باس!" — دوسرے نے کہا۔

"ہیڈ بگرز نمبر تھری آل سو باس!" — تیسرے نے بھی جواب دیا۔

"ہیڈ بگرز نمبر فور آل سو باس!" — چوتھا بھی اپنی باری پر بول پڑا۔

"مشن کس سٹیج پر پہنچ چکا ہے" — ؟ باس نے پوچھا۔

"فرسٹ آپریشن کامیاب ہو چکا ہے باس" — نمبر ون نے جواب دیا۔

"کوئی دقت یا پریشانی تو نہیں ہوئی" — ؟ باس کی آواز میں قدرے اطمینان شامل تھا۔

"نو سر" — نمبر ون نے ہی جواب دیتے ہوئے کہا۔ باقی تینوں خاموش بیٹھے رہے۔

"او کے! — مجھے خوشی ہے کہ تم نے اپنا کام صحیح طریقے سے انجام دیا ہے"۔ باس کی آواز تحسین آمیز تھی۔

"نمبر ٹو" — باس کی آواز آئی۔

"یس باس" — نمبر ٹو نے مؤدبانہ لہجے میں جواب دیا۔

"کیا پروگرام ہے" — ؟

"آج آپریشن شروع ہو گا باس"۔

"تیاریاں مکمل ہیں" — ؟

"یس باس"۔

"آپریشن ہر قیمت پر کامیاب ہونا چاہیئے"۔

"کامیابی ہو گی باس! — آپ بے فکر رہیں" — نمبر ٹو کی آواز میں اعتماد تھا۔

"او۔ کے — وش یو گڈ لک"۔

"نمبر تھری! — تمہارے پروگرام کا کیا بنا" — ؟

"باس! — میرے آدمی عمران کی تلاش میں ہیں لیکن وہ مل نہیں رہا"۔

"تم کچھ ڈھیلے جا رہے ہو نمبر تھری" — باس کی آواز میں کرختگی آ گئی۔

"ب — باس! — میں اپنی پوری کوشش کر رہا ہوں" — نمبر تھری کا چہرہ زرد ہو گیا اور اس کی زبان بھی ہکلاہٹ کا شکار ہو گئی۔ شاید یہ باس کی آواز میں ابھرنے والی کرختگی کا اثر تھا۔

"ہوں! — میں جلد از جلد کامیابی کی خبر سننا چاہتا ہوں ورنہ" — باس نے جان بوجھ کر فقرہ نامکمل چھوڑ دیا۔ اور نمبر تھری کو ایسا محسوس ہوا جیسے اس کے جسم میں سردی کی تیز لہر دوڑ گئی ہو۔

"نمبر فور! — تمہاری کیا پوزیشن ہے" — ؟ باس اب نمبر فور سے مخاطب تھا۔

"سر! — میرا مشن کامیابی کے بالکل قریب ہے — میں نے قاتل کے محل وقوع کا پتہ چلا لیا ہے — اُمید ہے ایک دو روز میں کامیابی ہو گی" — نمبر فور کی آواز خوفزدہ تھی۔

"او۔ کے! ۔۔ اب میٹنگ برخواست ۔۔۔ نمبر ون، آئندہ ہدایت تمہارے پاس پہنچ جائے گی ۔۔۔ گڈ بائی" ۔۔۔ باس کی آواز آنی بند ہو گئی اور پھول کی پتیاں دوبارہ کھلنا شروع ہو گئیں۔

ان چاروں نے ایک طویل سانس لی اور ایک دوسرے کو معنی خیز نظروں سے دیکھا اور پھر خاموشی سے اٹھ کھڑے ہوئے اور باری باری کمرے کے دروازے سے باہر نکل گئے۔

کمرے سے باہر نکل کر نمبر ٹو آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا برآمدے سے ہو کر پورچ تک پہنچا۔ اور پھر پورچ میں کھڑی کار میں بیٹھ گیا۔ اور دوسرے لمحے کار تیزی سے چلتی ہوئی اس عمارت سے باہر نکل گئی۔ اب کار کا رخ شہر کی طرف تھا۔ نمبر ٹو کار چلاتے ہوئے کسی گہری سوچ میں غرق تھا۔ تھوڑی دیر بعد کار آفتاب کالونی کے ایک بنگلے کے سامنے جا کر رک گئی۔

بنگلے کا پھاٹک بند تھا۔

نمبر ٹو نے ہارن دیا۔ چند ہی لمحوں بعد پھاٹک کھل گیا اور نمبر ٹو کار اندر لیتا چلا گیا۔ پورچ میں کار روک کر وہ نیچے اترا اور برآمدے سے ہوتا ہوا ایک کمرے میں آیا۔

یہ کمرہ ساز و سامان کے لحاظ سے خواب گاہ معلوم ہوتا تھا۔ نمبر ٹو نے کمرے میں پڑی ایک مسہری کے نیچے ہاتھ ڈالا۔ ایک ہلکی سی کھٹک کی آواز آئی اور کمرے کا فرش بائیں کونے سے ہٹتا چلا گیا۔ اور وہاں سیڑھیاں نمودار ہو گئیں اس نے خواب گاہ کا دروازہ اندر سے لاک کیا اور پھر سیڑھیاں اترنے لگا۔ جیسے ہی اس نے چوتھی سیڑھی پر قدم رکھا۔ خلا خود بخود بند ہو گیا۔

سیڑھیاں تقریباً بیس کے قریب تھیں اور جہاں سیڑھیاں ختم ہوتی تھیں

وہاں ایک دروازہ تھا۔ اس نے جیب سے چابیاں نکال کر لاک کھولا اور پھر دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔

یہ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا جس میں چاروں طرف مختلف قسم کی پیچیدہ مشینیں نصب تھیں۔ نمبر ٹو ایک مشین کے سامنے رکھی ہوئی کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس مشین پر ایک چھوٹی سی سکرین نصب تھی۔ اس نے ایک سرخ رنگ کا بٹن دبایا تو مشین میں زندگی کی لہر دوڑ گئی۔ مشین پر لگے ہوئے مختلف رنگوں کے چھوٹے چھوٹے بلب جلنے بجھنے لگے اور مشین سے زوں زوں کی آوازیں نکلنے لگیں۔ اس نے مشین کے ساتھ لگا ہوا ہیڈ فون اٹھایا اور اسے کانوں پر چڑھا لیا۔ پھر ایک اور بٹن دبا دیا۔ سکرین پر روشنی ہو گئی اور زوں زوں کی آواز تیز ہو گئی بلب اور زیادہ تیزی سے جلنے بجھنے لگا۔ سکرین ابھی تک سپاٹ تھی۔ اس پر باریک باریک لہروں کا جال بنا ہوا تھا جو برق کی طرح کوند رہی تھیں۔ ایک لمحے تک وہ بغور مشین پر لگے ہوئے ایک بڑے ڈائل کو دیکھتا رہا۔ جس میں لگی ہوئی سرخ سوئی آہستہ آہستہ صفر کے ہندسے سے آگے بڑھ رہی تھی۔ پھر جب سوئی پچیس کے ہندسے پر پہنچی تو اس نے مشین کی سائیڈ پر لگی ہوئی ایک چوک کھینچ لی۔ سوئی وہیں رک گئی اور اب سکرین پر ایک کمرے کے وسیع ہال کا منظر ابھر رہا تھا۔ منظر لحہ بہ لحہ واضح ہوتا چلا گیا۔

یہ ایک بہت بڑا ہال تھا جس میں بے شمار مشینیں فٹ تھیں اور تقریباً بیس آدمی ان مشینوں کے سامنے بیٹھے کام کر رہے تھے۔ ان سب کو کام میں لگا دیکھ کر نمبر ٹو کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔ اس نے میز کی دراز کھول کر ایک نقشہ نکالا اور پھر نقشے کو سامنے پھیلا کر اسے بغور دیکھنے لگا۔ چند لمحے سوچنے کے بعد اس نے ایک جگہ پر سرخ پنسل سے گول دائرہ بنایا اور پھر مشین کا ایک بٹن دبا دیا۔ بٹن دبتے ہی اس نے دیکھا کہ ہال میں کام کرنے والے تمام افراد چونک پڑے۔ پھر ان میں سے ایک آدمی

نے جو بائیں کونے پر ایک مشین کے سامنے بیٹھا تھا. پھرتی سے اپنے سامنے رکھی ہوئی مشین کا بٹن دبا دیا۔

"ہیلو باس! ـ نمبر ٹو سپیکنگ" ـــــ ہال میں موجود نوجوان نے کہا۔

"باس سپیکنگ دس اینڈ" ـــــ نمبر ٹو نے جواب دیا۔

"یس باس" ـــــ وہ نوجوان جس نے اپنے آپ کو نمبر ٹو کہا تھا. مودبانہ انداز میں جواب دیا۔

"آپریشن کس سٹیج پر ہے" ـــــ؟ باس نے سخت لہجے میں پوچھا۔

"تمام تیاریاں مکمل ہیں باس! ـــ اب آپ کے حکم کی دیر ہے" ـــــ نمبر ٹو نے مودبانہ لہجے میں کہا۔

"تیاریوں کی تفصیل بتلاؤ" ـــــ؟ باس کا لہجہ قدرے نرم تھا۔

"باس! ـــ دارالحکومت میں بھکاریوں کی لوٹ مار کے خلاف ایک بہت بڑا جلوس نکلے گا جو حکومت کی بدنظمی، نااہلی، سرمایہ داروں کی لوٹ کھسوٹ، مہنگائی اور غربت کے خلاف نعرے لگائے گا. اور پھر جب یہ جلوس ہاشم مارکیٹ کے پاس پہنچے گا تو ہمارے آدمی پولیس کی وردیوں میں اس پر فائرنگ کریں گے جس سے جلوس وہاں پر موجود پولیس پر الٹ پڑے گا. اور اس کے ساتھ ساتھ ہمارے آدمی اس تصادم کا سہارا لیکر پورے دارالحکومت میں قتل وغارت کا طوفان برپا کردیں گے. تمام بڑی بڑی سرکاری عمارتوں، سفارت خانوں کو آگ لگا دی جائے گی اور اس طرح ہمارا آپریشن کامیاب ہوجائے گا" ـــــ نمبر ٹو نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

"جلوس کی تمام تیاریاں مکمل ہیں" ـــــ؟ باس نے پوچھا۔

"یس باس! ـــ تمام آدمی تیار ہیں اور اس وقت سیکٹر نمبر ا پر موجود ہیں. انہیں اسلحہ دے دیا گیا ہے" ـــــ نمبر ٹو نے جواب دیا۔

"کرفیو کس وقت ختم ہو رہا ہے" ـــــ؟ باس نے پوچھا۔

"اب سے دو گھنٹے بعد" ـــــ نمبر ٹو نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے ـــ کرفیو ختم ہونے کے ایک گھنٹے بعد آپریشن شروع کیا جائے. اس کے لیے اب مزید آرڈر کی ضرورت نہیں" ـــــ باس نے کہا۔

"او کے باس" ـــــ نمبر ٹو بولا۔

"وش یو گڈ لک ـــ گڈ بائی" ـــــ باس نے کہا اور پھر بٹن دبا دیا. مشین بند ہو گئی اور اس کے ساتھ ہی سکرین بھی تاریک ہو گئی۔

ریوالور ہاتھ سے نکلتے ہی اس نے چونک کر دیکھا تو اسے بائیں کونے میں بھی خلا نظر آیا جس میں ایک شخص ہاتھ میں ریوالور لیے کھڑا تھا۔

"اپنے ہاتھ اوپر کرلو" ـــــ اس نے بھکاری کو حکم دیا۔

بھکاری نے خاموشی سے ہاتھ اٹھا دیئے. اب اس منحنی آواز والے قوی ہیکل شخص نے بھی آگے بڑھ کر ریوالور اٹھا لیا۔

"مارٹن ـــ اسے لیکر فوراً روم نمبر فور میں پہنچو" ـــــ نووارد نے قوی ہیکل شخص کو حکم دیا۔

"او کے باس" ـــــ مارٹن نے جواب دیا۔

"چلو اندر" ـــــ مارٹن نے ریوالور بھکاری کی کمر سے لگا کر اسے خلا کی طرف چلنے کا

مرد نے اشارہ کیا۔

بھکاری خاموشی سے اندر گھس گیا۔ یہ ایک طویل گیلری تھی۔ اور پھر ایک دروازے پر پہنچ کر مارٹن نے بھکاری کو رکنے کا حکم دیا۔ بھکاری رک گیا۔

"دروازے پر دستک دو" ـــ مارٹن نے حکم دیا۔

بھکاری نے حکم کی تعمیل کی اور دستک دیتے ہی دروازہ کھل گیا۔

"چلو اندر" ـــ مارٹن نے کہا۔ اور پھر بھکاری کے اندر جانے کے بعد مارٹن بھی اندر داخل ہو گیا۔

بھکاری نے اندر داخل ہوتے ہی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ادھر اُدھر دیکھا۔ سامنے دو ستونوں سے ایک عورت اور ایک مرد رسیوں سے بندھے کھڑے تھے۔ یہ جولیا اور کیپٹن شکیل تھے۔ وہاں ان دو کے علاوہ دو اور شخص بھی منہ پر نقاب چڑھائے موجود تھے۔

"اسے سامنے والے ستون سے باندھ دو" ـــ ان میں سے ایک نقاب پوش نے مارٹن کو حکم دیا۔ یہ وہی آواز تھی جس نے پہلے کمرے میں بھکاری کا ریوالور گرا دیا تھا۔

"لیکن میرا جرم کیا ہے" ـــ بھکاری نے پہلی دفعہ زبان کھولی۔

"ابھی پتہ چل جائے گا" ـــ نقاب پوش نے جواب دیا۔

"چلو بھئی باندھ لو ـــ تمہاری مرضی" ـــ بھکاری نے کہا اور پھر مارٹن نے اسے ایک ستون سے رسیوں سے اچھی طرح کس کر باندھ دیا۔

"تم بھکاریوں کو بغور کس لئے دیکھ رہے تھے" ـــ؟ نقاب پوش نے کیپٹن شکیل سے پوچھا۔

"میں خود بھکاری بننا چاہتا تھا اس لیے بھکاریوں کی نفسیات کا مطالعہ کر رہا

تھا" ـــ کیپٹن شکیل نے اطمینان سے جواب دیا۔

"اور تم لڑکی ـــ کیا تم بھی بھکاری بننا چاہتی تھی" ـــ؟ نقاب پوش اب جولیا کی طرف مڑ گیا۔

جولیا خاموش رہی۔

"جواب دو لڑکی ورنہ" ـــ نقاب پوش جولیا کی خاموشی سے جھنجھلا گیا۔

"کیا جواب دوں ـــ؟ تم خوامخواہ کسی غلط فہمی میں مجھے پکڑ لائے ہو ـــ میرا بھکاریوں سے کیا تعلق" ـــ؟ جولیا نے لاپرواہی سے جواب دیا۔

"اور تم اس عمارت میں کیوں گھسے تھے" ـــ؟ اب نقاب پوش بھکاری سے مخاطب ہوا۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے وہ تینوں کا انٹرویو لے رہا ہو۔

"ظاہر ہے بھیک مانگنے آیا ہوں گا" ـــ بھکاری نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔

"کیا تمہارے نزدیک بھیک مانگنے کا یہی طریقہ ہے" ـــ؟ نقاب پوش نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

"اگر اس سے اچھا طریقہ تم جانتے ہو تو وہ بتا دو" ـــ بھکاری نے جواب دیا۔ ظاہر ہے چوٹ براہ راست نقاب پوش پر کی گئی تھی۔ اس لیے وہ غصے سے دھاڑتا ہوا بولا۔

"شٹ اَپ ـــ اب تک میں شرافت سے پوچھ رہا تھا ـــ اب میں دیکھوں گا کہ تم صحیح بات کس طرح نہیں اگلتے۔"

"مارٹن کوڑا لاؤ" ـــ نقاب پوش نے مارٹن کو حکم دیا جو ایک طرف خاموشی سے کھڑا تھا۔

"یس باس" ـــ مارٹن نے کہا اور پھر وہ دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

نقاب پوش غصے کے عالم میں وہیں ٹہلنے لگا۔ دوسرا نقاب پوش خاموشی سے ایک طرف کھڑا تھا۔

چند لمحے بعد مارٹن ہاتھ میں کوڑا لئے واپس آگیا۔ اور اس نے کوڑا بڑے مودبانہ انداز میں نقاب پوش کی طرف بڑھا دیا۔

"کیا اب بھی تم نہیں بتاؤ گے کہ تم لوگ کون ہو" ــــ؟ نقاب پوش نے ہاتھ میں کوڑا لہراتے ہوئے ان تینوں سے پوچھا۔

"کم از کم میں تو بتا دیتا ہوں" ــــ بھکاری نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

"بتاؤ" ــــ نقاب پوش نے کوڑا فضا میں لہرایا۔ ایک زوردار آواز نکلی۔

"مم ــ مم ــ میں" ــــ بھکاری خوف کی وجہ سے ہکلا رہا تھا۔

"ہاں ــ ہاں بتاؤ ــ ڈرو مت ــ اگر تم صحیح بتا دو گے تو میں نرمی بھی برت سکتا ہوں" ــــ نقاب پوش کی آواز بیحد نرم تھی۔

"مم ــ مم ــ میں" ــــ بھکاری ابھی تک خوف زدہ تھا۔

"کیا ــ میں میں۔ لگا رکھی ہے ــ جلدی بتاؤ" ــــ نقاب پوش کو اب غصہ آگیا تھا۔

"میں بھکاری ہوں" ــــ بھکاری نے فقرہ پورا کر دیا۔

"اوہ ــــ تم میرا مذاق اڑا رہے ہو" ــــ نقاب پوش غصے کی شدت سے دھاڑا۔ اور پھر اس سے پہلے کہ وہ کوڑا لہراتے ہوئے بھکاری کی طرف بڑھتا، کمرہ سیٹی کی تیز آواز سے گونج اٹھا۔ نقاب پوش نے چونک کر ہاتھ روک لیا۔ دوسرے لمحے وہ کوڑا لیے ایک کونے میں رکھی ہوئی ایک میز کی طرف بڑھا۔ میز پر ایک ٹرانسمیٹر نما مشین رکھی ہوئی تھی اور سیٹی کی آواز اسی میں سے نکل رہی تھی۔

نقاب پوش نے کوڑا ایک طرف رکھا اور خود مشین کے سامنے پڑی ہوئی کرسی پر

بیٹھ گیا۔ اور اس نے ہاتھ بڑھا کر ایک بٹن دبا دیا۔ سیٹی کی آواز ایک دم رک گئی اور اس کے ساتھ ہی ایک تیز آواز گونجنے لگی۔

"ہیلو ہیلو۔ بی، بی ــــ ہیلو۔ بی، بی اوور"۔

"یس ــ بی، بی سپیکنگ اوور" ــــ نقاب پوش نے کرخت آواز میں کہا۔

"باس! ــ ایک اہم پرابلم درپیش ہے" ــــ دوسری طرف سے آنے والی آواز میں پریشانی نمایاں تھی۔

"ایک منٹ ہولڈ آن کرو" ــــ نقاب پوش نے فوراً کہا اور پھر اس نے پلٹ کر مارٹن کو حکم دیا۔

"مارٹن! ــ ان تینوں کو فی الحال روم نمبر تھری اور ٹو میں بند کر دو ــــ میں بعد میں ان سے نپٹوں گا"۔

"اوکے باس" ــــ مارٹن نے مودبانہ انداز میں جواب دیا۔ اور پھر اس نے جولیا کو کھولا اور ریوالور کی نالی اس کی پشت سے لگا کر اسے باہر لے گیا۔ چند منٹ بعد وہ واپس آیا اور اس نے کیپٹن شکیل کو کھولا اور باہر لے گیا۔ اور پھر اس نے بھکاری کو بھی کھول کر اس کی پشت سے ریوالور لگایا اور باہر لے گیا۔ گیلری میں آکر اس نے ایک دروازہ کھولا اور بھکاری کو اندر چلنے کا اشارہ کیا۔ اور بھکاری خاموشی سے اندر چلا گیا۔ بھکاری کے اندر جاتے ہی اس نے دروازہ باہر سے بند کر دیا۔

بھکاری جیسے ہی اندر داخل ہوا۔ اس نے دیکھا کہ کمرہ تو بالکل خالی ہے۔ اور باہر کا دروازہ بھی بند ہو گیا۔ دروازہ بند ہوتے ہی ایک کھٹکا ہوا اور سامنے کی دیوار میں خلا پیدا ہو گیا۔ بھکاری اس خلا میں داخل ہو گیا۔ اس کے داخل ہوتے ہی خلا دوبارہ برابر ہو گیا۔ یہ ایک وسیع کمرہ تھا جس میں اس سے پہلے تین آدمی موجود تھے۔ بھکاری جیسے ہی اندر داخل ہوا۔ اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کا دماغ

پھٹ کر ہزار ٹکڑوں میں تقسیم ہو جائے گا۔ اس کی آنکھیں حیرت کی شدت سے پھٹ گئیں اور وہ سامنے یوں دیکھ رہا تھا جیسے اس نے اپنی زندگی کی سب سے حیرت انگیز چیز دیکھ لی ہو۔ اس کے ذہن میں لگاتار دھماکے ہو رہے تھے۔

"کک۔ کیا۔ کیا ایسا ممکن ہے" ——؟ بھکاری کے منہ سے حیرت کی شدت سے یہ الفاظ نکلے۔ اور اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ حیرت کی زیادتی کی وجہ سے بے ہوش ہو رہا ہو۔

سر رحمان کو اس کمرے میں بند ہوتے آج دوسرا دن تھا۔ اب انہیں یقین آگیا تھا کہ وہ کسی خطرناک مجرم کے پھندے میں بُری طرح پھنس گئے ہیں جس نے قانونی طور پر پہلے انہیں مُردہ قرار دلوایا اور پھر اپنے قبضہ میں کر لیا۔ لیکن انہیں سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ مجرم کا اس ڈرامے سے آخر کیا مقصد ہے اور وہ ان سے کیا کام لینا چاہتا ہے۔ وہ شدت سے چاہ رہے تھے کہ کسی طرح عمران یا سر سلطان کو اپنے زندہ ہونے کی خبر پہنچا دیں۔ لیکن اوّل تو ان کے پاس اس کا کوئی ذریعہ نہیں تھا اور اگر کوئی ذریعہ ہوتا بھی تو وہ اس اطلاع پر کیسے یقین کر لیتے جس کو ڈاکٹروں نے مردہ قرار دے دیا اور جنہیں حکومت نے پورے اعزاز کے ساتھ دفن کیا ہو اور دفن کرتے وقت سر سلطان اور عمران خود موجود ہوں۔ تب وہ کیسے یقین کر لیتے کہ سر رحمان مرے نہیں زندہ ہیں۔ سارا دن اور ساری رات وہ اسی ادھیڑ بُن

میں رہے کہ انہیں کیا کرنا چاہیئے ——؟ مجرم نے انہیں عجیب صورتحال میں پھنسا دیا تھا۔ جس پر وہ جتنا غور کرتے اتنا ہی الجھ جاتے۔

اس وقت بھی وہ اسی ادھیڑ بُن میں مصروف تھے کہ دروازہ کھلا اور مشینی آواز والا قوی ہیکل مارٹن مشین گن تھامے اندر داخل ہوا۔

"چلو تمہیں باس بلا رہے ہیں" —— اس نے بڑے اکھڑ پن سے سر رحمان کو مخاطب کیا۔

"تمیز سے بات کرو" —— سر رحمان کے چنگیزی خون کو جوش آگیا۔

"شٹ اپ —— خاموشی سے چلے چلو ورنہ" —— مارٹن نے مشین گن کے ٹریگر پر انگلی رکھتے ہوئے کہا۔

اور سر رحمان خون کے گھونٹ پی کر خاموش ہو گئے۔ اور پھر مارٹن انہیں لیے ہوئے گیلری سے ہوتا ہوا ایک وسیع ہال میں لے آیا۔ یہاں ایک بہت بڑی میز کے گرد دو کرسیاں رکھی ہوئی تھیں جن میں سے ایک پر ایک قوی ہیکل نقاب پوش بیٹھا تھا۔

"بیٹھو سر رحمان" —— نقاب پوش نے دوسری کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سر رحمان سے کہا۔

سر رحمان خاموشی سے کرسی پر بیٹھ گئے۔

اب نقاب پوش اور سر رحمان کے درمیان ایک بہت بڑی میز حائل تھی۔ اور مارٹن مشین گن لیے سر رحمان کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔

"کیا حال ہیں سر رحمان ——؟ کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی" ——؟ نقاب پوش نے بڑی نرمی سے پوچھا۔

"اپنے مقصد کی بات کرو" —— سر رحمان نے اکھڑے سے لہجے میں جواب دیا۔

"سر رحمان! ۔۔۔ میں آپ کی دلی طور پر عزت کرتا ہوں۔ کیونکہ آپ بہرحال ایک معزز آدمی ہیں ۔۔۔ اور اب کیونکہ آپ کلی طور پر میرے قبضہ میں ہیں اس لیے آپ اپنا اکڑپن چھوڑیئے اور جو میں کہوں اس پر خاموشی سے عمل کریں ورنہ ہو سکتا ہے کہ میں آپ کو واقعی موت کے حوالے کر دوں۔ پھر دنیا کی کوئی طاقت آپ کو زندہ نہ کر سکے گی" ۔۔۔ نقاب پوش کی آواز میں دھمکی تھی۔

"باقی باتیں چھوڑیں ۔۔۔ یہ بتائیں کہ آپ چاہتے کیا ہیں" ۔۔۔؟ سر رحمان کا لہجہ بھی اب نرمی پذیر تھا۔

"میں سب سے پہلے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں ۔۔۔ امید ہے کہ آپ اس کا صحیح صحیح جواب دیں گے" ۔۔۔ نقاب پوش نے کہا۔

سر رحمان نے کوئی جواب نہ دیا بلکہ خاموشی سے بیٹھے رہے۔

"عمران آپ کا بیٹا ہے" ۔۔۔؟ نقاب پوش نے سوال کیا۔

"ہاں" ۔۔۔ سر رحمان نے مختصر سا جواب دیا۔

"وہ کس عہدے پر کام کرتا ہے" ۔۔۔؟ نقاب پوش کے لہجے میں اشتیاق تھا۔

"کاش وہ کسی عہدے پر کام کرتا" ۔۔۔ سر رحمان نے ایک ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب" ۔۔۔؟ نقاب پوش حیرت زدہ لہجے میں بولا۔

"مطلب یہ کہ نقاب پوش! ۔۔۔ وہ کسی عہدے پر کام نہیں کرتا ۔۔۔ آوارہ گردی کرتا ہے اور پولیس انفارمر ہے" ۔۔۔ سر رحمان کا لہجہ شکست خوردہ تھا۔

"آپ غلط کہہ رہے ہیں ۔۔۔ میری اطلاع کے مطابق وہ اس ملک کا کوئی بہت بڑا عہدیدار ہے" ۔۔۔ نقاب پوش کے لہجے میں تیزی تھی۔

"نہیں ۔۔۔ یہ جھوٹ ہے ۔۔۔ میں نے اس کی آوارہ گردی سے مجبور ہو کر اسے

گھر سے نکال دیا تھا ۔۔۔ میں تو چاہتا تھا کہ وہ کوئی اچھا عہدہ سنبھال کر میرا نام روشن کرے مگر" ۔۔۔ سر رحمان نے فقرہ نامکمل چھوڑ دیا۔

"کمال ہے ۔۔۔ اب میں کس بات کو سچ سمجھوں ۔۔۔؟ آپ کہہ رہے ہیں کہ وہ صرف پولیس انفارمر ہے اور مجھے اطلاع ملی ہے کہ وہ کوئی بہت بڑا عہدے دار ہے ۔۔۔ میری اطلاع بھی سچی ہے اور آپ کا چہرہ بھی بتلا رہا ہے کہ آپ جھوٹ نہیں بول رہے" ۔۔۔ نقاب پوش کا لہجہ عجیب سا تھا۔

"آپ کا اصل مقصد کیا ہے وہ بتلائیں ۔۔۔؟ بلکہ بہتر یہ ہے کہ پہلے آپ اپنا تعارف کرا دیں تاکہ میں صورت حال کو سمجھ سکوں" ۔۔۔ سر رحمان اب ماحول سے سمجھوتہ کر چکے تھے۔

"فی الحال میں اپنے متعلق کچھ نہیں بتا سکتا اور آپ بھی اس پر اصرار نہ کریں۔ دوسری بات یہ ہے کہ عمران سے میں ملنا چاہتا ہوں" ۔۔۔ نقاب پوش نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

"کیوں" ۔۔۔؟ سر رحمان نے بے اختیار پوچھا۔

"یہ بھی نہیں بتا سکتا" ۔۔۔ نقاب پوش بولا۔

"پھر تم کیا بتا سکتے ہو" ۔۔۔؟ سر رحمان کو پھر غصہ آ گیا۔

"صرف اتنا کہ میں عمران سے ملنا چاہتا ہوں" ۔۔۔ نقاب پوش نے اسی طرح دھیمے لہجے میں جواب دیا۔

"پھر اتنا لمبا چکر چلانے کی کیا ضرورت تھی ۔۔۔؟ اس کے فلیٹ پر چلے جاتے اور مل لیتے" ۔۔۔ سر رحمان جھنجلا گئے۔

"آپ کو یہاں لانے کا مقصد کچھ اور ہے ۔۔۔ عمران کی بات تو میں ویسے ہی کر رہا تھا۔ باقی اب عمران کافی دن ہوتے فلیٹ سے غائب ہے" ۔۔۔ نقاب پوش

نے کہا۔

"میرے یہاں لانے کا کیا مقصد ہے"۔۔۔؟ سر رحمان نے اس کی باقی بات نظر انداز کرتے ہوئے سوال کیا۔

"صرف اتنا کہ اگر کسی وقت عمران سے ٹکراؤ ہو جائے اور حالات ہمارے خلاف ہو جائیں تو ہم آپ کی زندگی کا سودا کر کے اس سے اپنی بات منوا سکیں"۔۔۔ نقاب پوش نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

"تم عمران سے اتنے خوفزدہ کیوں ہو"۔۔۔؟ سر رحمان کے لہجے میں قدرے مسرت جھلک رہی تھی۔ انہیں واقعی اتنے بڑے مجرم کو عمران سے خوفزدہ دیکھ کر دلی مسرت ہو رہی تھی۔

"میں خوفزدہ نہیں ہوں۔۔۔ بلکہ میں اپنے کمزور سے کمزور دشمن کو بھی نظر انداز نہیں کرتا۔ یہ میری فطرت ہے اور اسی وجہ سے میں آج تک کسی مشن میں بھی ناکام نہیں ہوا"۔۔۔ نقاب پوش نے بتلایا۔

"تمہارا اس ملک میں کیا مشن ہے"۔۔۔؟ سر رحمان نے سوال کیا۔

"آپ کو کیسے علم ہوا کہ میں غیر ملکی ہوں"۔۔۔؟ نقاب پوش نے پوچھا۔

"کیوں بچوں جیسی باتیں کر رہے ہو۔۔۔؟ کیا تم مجھے بے وقوف سمجھتے ہو کہ میں تمہارے لہجے سے اتنا بھی پتہ نہ چلا سکوں کہ تم مقامی ہو یا غیر ملکی"۔۔۔ سر رحمان نے بُرا سا منہ بناتے ہوئے جواب دیا۔

"ہوں۔۔۔ میں بھول گیا تھا کہ آپ کوئی عام آدمی نہیں بلکہ انٹیلی جنس کے ڈائریکٹر "تھے"۔۔۔ نقاب پوش نے لفظ "تھے" پر خاص طور پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"تم نے اپنا مشن نہیں بتایا"۔۔۔ سر رحمان نے دوبارہ اصل موضوع پر

آتے ہوئے پوچھا۔

"اب آپ نے بچوں والی بات کہہ دی ہے۔۔۔ آپ نے کیسے یہ تصور کر لیا کہ میں آپ کو اپنا مشن بتا دوں گا"۔۔۔ نقاب پوش نے جواب دیا۔

"اس لیے کہ بقول تمہارے اب میں تمہارے قبضہ میں ہوں"۔۔۔ سر رحمان نے جواب دیا۔

"آپ کو میں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ میں کمزور سے کمزور دشمن کو بھی نظر انداز نہیں کیا کرتا۔۔۔ اور آپ بہرحال دشمن ہیں دوست نہیں"۔۔۔ نقاب پوش نے کہا اور سر رحمان خاموش ہو گئے۔

چند لمحے تک خاموشی طاری رہی۔ پھر نقاب پوش نے مارٹن کو جو سر رحمان کی پشت پر سٹین گن تھامے خاموشی سے کھڑا تھا مخاطب کیا۔

"مارٹن!۔۔۔ ٹیلیفون یہاں لے آؤ"۔۔۔ نقاب پوش نے کہا اور اس کے ساتھ ہی نقاب پوش نے جیب سے ریوالور نکال کر ہاتھ میں لے لیا۔ کیونکہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ مارٹن کے ایک طرف ہٹتے ہی سر رحمان کوئی حرکت کریں۔

مارٹن نے کمرے کے کونے میں رکھی ہوئی ایک میز پر سے ٹیلیفون سیٹ اٹھایا اور لا کر نقاب پوش کے سامنے رکھ دیا اور دوبارہ وہی پہلے والی پوزیشن اختیار کر لی۔

نقاب پوش نے ریوالور دوبارہ جیب میں رکھ لیا اور پھر رسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کرنے شروع کر دیئے۔ سر رحمان کی طرف چونکہ ٹیلیفون سیٹ کی پشت تھی۔ اس لیے وہ نہیں دیکھ سکے کہ نقاب پوش نے کس کے نمبر ڈائل کئے ہیں۔ اور پھر نمبر ڈائل کر کے نقاب پوش نے رسیور کانوں سے لگا لیا۔

"ہیلو۔۔۔ کون بول رہا ہے"۔۔۔؟ رابطہ قائم ہوتے ہی نقاب پوش نے

پوچھا۔

"میں سلیمان بول رہا ہوں"۔۔۔۔ دوسری طرف سے سلیمان کی آواز آئی۔

"عمران کہاں ہے"۔۔۔۔؟ نقاب پوش نے پوچھا۔

"میری جیب میں ہے ۔۔۔ فرمائیے!"۔۔۔۔ سلیمان نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا۔

"شٹ اپ ۔۔۔ تمیز سے بات کرو"۔۔۔۔ نقاب پوش کو غصہ آگیا۔

"تو آپ تمیز صاحب کو بلالیں۔۔۔ میں ان سے بات کرلیتا ہوں"۔۔۔۔ سلیمان باز نہیں آیا۔

"تم شرافت سے بات نہیں کروگے بدتمیز"۔۔۔۔ نقاب پوش غصے میں دھاڑا۔

"اب بتاؤ میں کیا کروں ۔۔۔؟ کبھی تم کہتے ہو تمیز صاحب سے بات کرو اور کبھی کہتے ہو شرافت صاحب سے بات کرو"۔۔۔۔ سلیمان نے کہا۔ اس کا لہجہ بدستور معنی خیز تھا۔

"میں تمہارا بندوبست کرتا ہوں"۔۔۔۔ نقاب پوش نے بے بس ہو کر کہا اور پھر ایک جھٹکے سے رسیور رکھ دیا۔

نقاب پوش ایک لمحے تک خاموش بیٹھا رہا۔ شاید غصہ ضبط کر رہا تھا پھر اس نے مارٹن کو حکم دیا۔

"مارٹن! ۔۔۔ سر رحمان کو روم نمبر تھری میں لے جاؤ"۔۔۔۔ نقاب پوش کا لہجہ اب تک غضب ناک تھا۔

سر رحمان خاموشی سے اٹھ کھڑے ہوئے اور پھر مارٹن انہیں روم نمبر تھری تک پہنچا آیا۔

کرفیو ہٹنے کے ایک گھنٹے بعد دارالحکومت میں ایک بہت بڑا جلوس حکومت کے خلاف نکلا جس کی رہنمائی ایک مشہور سیاسی پارٹی کے صدر کر رہے تھے اور پھر اس جلوس کا تصادم پولیس سے ہوگیا اور اس کے ساتھ ہی دارالحکومت آتش زنی اور لوٹ مار کی وارداتوں میں گھر گیا۔

یہ دن دارالحکومت کی تاریخ میں ہمیشہ ایک بھیانک دن کے نام سے پکارا جاتے گا۔ بے پناہ قتل عام ہوا۔ حکومت کو فوری طور پر کرفیو نافذ کرنا پڑا اور تمام دارالحکومت کا انتظام فوج نے سنبھال لیا۔ سینکڑوں گرفتاریاں ہوئیں۔ لیکن رات گئے تک کہیں نہ کہیں خنجر زنی یا فائرنگ ہوتی رہی۔ فوج کی بے پناہ سختی کے بعد کہیں جا کر دارالحکومت میں امن قائم ہوا۔

اس ایکا ایکی جلوسوں اور وارداتوں سے حکومت بوکھلا گئی۔ کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ سب کچھ کیسے ہوا اور کیوں ہوا ۔۔۔؟ اس تصادم کی اطلاع جب دوسرے شہروں میں پہنچی تو وہاں بھی ماحول میں کشیدگی پیدا ہوگئی۔

اس اچانک واقع ہونے والے فسادات پر ایک سراسیمگی پھیلی ہوئی تھی۔ اور صدر مملکت نے فوری طور پر کابینہ اور اعلیٰ سرکاری افسروں کی میٹنگ طلب کر لی۔ اس میٹنگ میں دارالحکومت کی صورتحال پر غور کیا گیا۔ آخر یہی فیصلہ ہوا کہ صدر مملکت

فوری طور پر قوم سے خطاب کریں اور صورت حال کی وضاحت کریں تاکہ بپھرے ہوئے
عوام کچھ سکون پذیر ہو جائیں ورنہ ہو سکتا ہے کہ عوام اس ملک کی اینٹ سے اینٹ
بجا دیں۔ تمام انٹیلی جنس کے سربراہوں کو مطلع کر دیا گیا تھا کہ وہ صورت حال پر کڑی
نظر رکھیں اور ان فسادات اور شورشوں کی جڑ تلاش کریں۔

اس میٹنگ میں بلیک زیرو بھی بطور ایکسٹو شامل ہوا تھا۔ صدر مملکت نے خصوصی
طور پر ایکسٹو کو حکم دیا کہ وہ ملک دشمن عناصر کو فوراً منظر عام پر لے آئیں۔ ایکسٹو نے
اس بات کا وعدہ کیا اور پھر یہ میٹنگ برخواست ہو گئی۔

صدر مملکت نے قوم سے خطاب کیا اور ان فسادات کی تمام تر ذمہ داری غیر ملکی
جاسوسوں اور ملک دشمن عناصر پر ڈال دی۔ اور اپیل کی کہ انہیں منظر عام پر لے آنے
کے لیے حکومت سے تعاون کریں۔

اس مدبرانہ تقریر سے بپھرے ہوئے عوام کافی حد تک سکون پذیر ہو گئے لیکن
حکومت نے دارالحکومت میں بدستور کرفیو لگائے رکھا اور فوجی سپاہی سڑکوں اور
گلیوں کا گشت کرتے رہے۔

" بلیک زیرو میٹنگ سے فارغ ہو کر سیدھا دانش منزل میں گیا۔ وہ اس وقت دانش
منزل کے آپریشن روم میں بیٹھا گہری سوچ میں غرق تھا۔ عمران یک لخت کہیں غائب ہو گیا
تھا اس کے ساتھ ہی صفدر، کیپٹن شکیل اور جولیا بھی گم تھے بلیک زیرو کو کسی قسم کی کوئی
اطلاع نہیں تھی۔ عمران نجانے اچانک کہاں غائب ہو گیا تھا۔ ادھر صدر مملکت نے
۴۸ گھنٹے بعد رپورٹ مانگی تھی۔ کیونکہ ان فسادات کی وجہ سے ملک کی حالت نازک
ہو گئی تھی۔ اسی لیے وہ خود بھی اس کیس پر فوری طور پر کام شروع کرنا چاہتا تھا۔
لیکن عمران کی اچانک گمشدگی نے اُسے مفلوج کر کے رکھ دیا تھا۔ ویسے اُسے پوری
امید تھی کہ عمران ضرور مجرموں کی راہ پر لگ گیا ہے کیونکہ صفدر، جولیا اور کیپٹن شکیل

کی گمشدگی اس بات کی دلیل تھی کہ عمران نے انہیں بطور ایکسٹو کسی کام پر لگایا ہو گا ورنہ
وہ اطلاع کئے بغیر کیسے جا سکتے تھے۔

اس وقت بھی بلیک زیرو عمران کی طرف سے کسی اطلاع کے انتظار میں آپریشن روم
میں بیٹھا تھا لیکن تا حال اُسے عمران کی طرف سے کوئی اطلاع نہیں ملی تھی۔

چند لمحوں بعد مخصوص نمبروں والے ٹیلیفون کی گھنٹی بج اٹھی۔ بلیک زیرو نے پھرتی
سے رسیور اٹھایا۔

" ایکسٹو" ــــ بلیک زیرو نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

" میں سر سلطان بول رہا ہوں" ــــ دوسری طرف سے سر سلطان کی آواز بلیک زیرو
نے پہچان لی۔

" میں طاہر بول رہا ہوں جناب" ــــ بلیک زیرو نے مودبانہ لہجے میں کہا۔

" طاہر! ــــ عمران کہاں ہے" ــــ سر سلطان کی آواز میں پریشانی
جھلک رہی تھی۔

" جناب! ــــ مجھے کوئی اطلاع نہیں ہے ــــ میں خود پریشان ہوں ــــ عمران
صاحب کے ساتھ ہی تین ممبرز بھی غائب ہیں" ــــ طاہر نے جواب دیا۔

" کمال ہے ــــ اس وقت ملک کو اس کی اشد ضرورت ہے اور وہ غائب ہو گیا
ہے" ــــ سر سلطان کا لہجہ قدرے برہم تھا۔

" جناب! ــــ جہاں تک میرا خیال ہے وہ مجرموں کی راہ پر لگ چکے ہیں"
طاہر نے اپنا عندیہ ظاہر کیا۔

" خدا کرے ایسا ہی ہو ــــ اچھا دیکھو جب بھی عمران آئے یا اس کی کوئی اطلاع
آئے ــــ اُسے کہہ دینا کہ مجھ سے رابطہ قائم کرے" ــــ سر سلطان نے کہا۔

" بہت بہتر جناب!" ــــ طاہر نے کہا اور پھر دوسری طرف سے رسیور رکھنے کی

آواز سُنکر اُس نے بھی رسیور رکھ دیا اور عمران کی کال کی انتظار میں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ گیا۔

صفدر کی چیخ کے ساتھ ہی گنجے بھکاری کا زوردار قہقہہ کمرے میں بلند ہوا۔ صفدر تڑپتے تڑپتے ساکن ہو گیا تھا۔ گولی اُس کے پہلو میں لگی تھی۔

صفدر کے ساکن ہوتے ہی گنجے بھکاری نے دیوار پر لگا ہوا ایک بٹن دبایا تو فوراً ہی ایک دیوار شق ہوئی اور ایک نوجوان اس میں سے نکل کر اندر آگیا۔

"نمبر الیون! — لاش کو فوراً گٹر میں بہا دو" — گنجے بھکاری نے صفدر کی لاش کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حکم دیا۔

نوجوان نے پھرتی سے صفدر کے جسم کو اٹھا کر اپنی کمر پہ لادا اور کمرے سے باہر نکل گیا اور پھر تیزی سے مختلف کمروں سے گزرتا ہوا ایک کمرے میں جا کر رک گیا اس نے صفدر کو فرش کے درمیان میں لٹا دیا اور پھر ایک طرف ہٹ کر سوئچ بورڈ پر لگا ہوا ایک بٹن دبا دیا۔ دوسرے لمحے فرش کا وہ حصہ جہاں صفدر پڑا ہوا تھا گھوم کر برابر ہو گیا اور صفدر نیچے بہنے والے گٹر میں جا پڑا۔

صفدر کا جسم پانی میں گرا تو اسے اچانک ہوش آنے لگا۔ وہ دراصل ختم نہیں ہوا تھا بلکہ بیہوش ہو گیا تھا۔ یہ اُس کی خوش قسمتی تھی کہ گنجے بھکاری نے اس کے مُردہ ہونے کی تسلی نہیں کی تھی بلکہ صرف گولی پر اعتماد کر کے اُسے مُردہ سمجھ لیا۔ یا شاید اس وقت اُسے جلدی تھی۔ اس لئے اس نے سوچا کہ صفدر مر چکا ہے۔

پانی میں تین چار غوطے کھانے سے صفدر کو ہوش آگیا اور پھر ہوش میں آتے ہی اُسے سب سے پہلے تو اپنی بے پناہ نقاہت کا احساس ہوا۔ دوسرے لمحے اس نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ماحول کو سمجھنا چاہا لیکن گھپ اندھیرے کی وجہ سے اُسے کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا۔ اِدھر گندے پانی سے اٹھنے والی سڑاند اُس کے حواس کو معطل کئے دے رہی تھی۔ اور پھر اس کے ڈگمگاتے ہوئے ذہن میں ایک جھماکا سا ہوا اور وہ سمجھ گیا کہ وہ اس وقت کسی زیرِ زمین بہنے والے گٹر میں موجود ہے اور پھر اس کے ساتھ ہی ساتھ اُسے تمام سابقہ حالات یاد آگئے۔

اس نے تیزی سے پہلو پر ہاتھ پھیرا۔ اب چونکہ وہ گٹر میں کھڑا ہوا تھا اس لئے پانی اس کی ناف سے نیچے بہہ رہا تھا۔ پہلو پر اُسے چکناہٹ سی محسوس نہیں ہوئی وہ سمجھ گیا کہ پانی میں ہونے کی وجہ سے خون نکلنا بند ہو گیا ہے اور یہ قدرت کی بہت بڑی رحمت تھی کہ اُسے مُردہ سمجھ کر پانی میں ڈال دیا گیا تھا۔ ورنہ ہو سکتا تھا کہ خون زیادہ نکل جانے کی وجہ سے وہ بے ہوشی کے عالم میں ہی عالمِ بالا کی طرف سدھار جاتا۔

حالات کا احساس ہوتے ہی اُس نے ہاتھ پھیلا کر گٹر کی دیوار کو پکڑنا چاہا اور پھر تھوڑی سی جدوجہد کے بعد وہ دیوار کے قریب پہنچ جانے میں کامیاب ہو گیا۔ اس نے ایک ہاتھ ناک اور منہ پر رکھا ہوا تھا۔ اسے خطرہ تھا کہ گٹر میں موجود زہریلی گیس کہیں اس کا خاتمہ نہ کر دے۔ دوسرے ہاتھ سے وہ ٹٹول ٹٹول کر آگے بڑھ رہا تھا۔ پھر اس کی خوش قسمتی تھی کہ جلد ہی اوپر جانے والی سیڑھیوں کا ایک ڈنڈا اس کے ہاتھ میں آگیا اور وہ آہستہ آہستہ سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ آخری سیڑھی پر پہنچ کر اس نے ہاتھ سے اوپر رکھے ہوئے ڈھکن کو اٹھانا چاہا لیکن ڈھکن کافی وزنی تھا۔ دوسرا

صفدر کافی سے زیادہ نقاہت محسوس کر رہا تھا۔ اس نے اپنے پیر مضبوطی سے سیڑھی پر جماتے اور پھر دونوں ہاتھوں سے ڈھکن اٹھانے کی کوشش کی۔ ڈھکن ذرا سا ہلا مگر صفدر اپنا توازن قائم نہ رکھ سکا اور سر کے بل دوبارہ پانی میں آگرا۔ اور پھر ایک آدھ غوطہ کھانے کے بعد وہ دوبارہ سنبھلا اور ایک بار پھر سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ ڈھکن کے قریب پہنچ کر اس نے سر بھی ڈھکن کے ساتھ ٹکایا اور پھر سر کے ساتھ ساتھ دونوں ہاتھوں سے بھی ڈھکن اٹھانے کے لئے زور لگایا۔ ایک جھٹکا لگا اور پھر وزنی ڈھکن الٹ کر دوسری طرف جا گرا۔ صفدر ایک بار پھر توازن بگڑنے کی وجہ سے نیچے گرتا گرتا بچا۔ مگر اس نے پھرتی سے سیڑھی کے ڈنڈے کو پکڑ لیا تھا۔ تازہ ہوا اندر آنے کی وجہ سے صفدر کو اپنے جسم میں تازگی اور نئی طاقت کا احساس ہوا اور دوسرے لمحے وہ اس ڈھکن کے سوراخ سے ہوتا ہوا باہر نکل آیا۔

زور لگانے کی وجہ سے صفدر پر نقاہت کا شدید حملہ ہوا تھا اور اس کے ساتھ ہی اس کے پہلو سے دوبارہ خون نکلنا شروع ہو گیا تھا۔ اس لئے وہ چند لمحے تک سوراخ کے قریب زمین پر لیٹا لمبے لمبے سانس لیتا رہا۔ اس نے اپنا ایک ہاتھ اس پہلو پر رکھا ہوا تھا جہاں گولی لگی ہوئی تھی۔

چند لمحے بعد وہ گرتا پڑتا ہوا اٹھا اور آگے بڑھنے لگا۔ یہ ایک گلی تھی اور اس وقت گلی بالکل سنسان پڑی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ گلی طے کرنے لگا۔

گلی سے نکلتے ہی وہ ایک بڑی سڑک تک پہنچ گیا۔ سڑک بھی اس وقت سنسان تھی، تکلیف اور نقاہت کی وجہ سے اس کے دماغ پر اندھیرے اپنا ڈیرہ جمانے کی کوشش کر رہے تھے لیکن وہ اپنی بے پناہ قوت ارادی کی وجہ سے ان اندھیروں کو بار بار جھٹک رہا تھا۔ کیونکہ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ اگر اب وہ بیہوش ہو گیا تو پھر وہ کبھی بھی ہوش میں نہ آسکے گا۔ اب چلنے کی اس میں طاقت نہیں رہ گئی تھی۔ اس لئے

بھکاری نے بڑی مشکل سے اپنے آپ کو سنبھالا اور پھر آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا آگے بڑھا۔

سامنے ایک کرسی پر سر رحمان بیٹھے پریشان نظروں سے بھکاری کو دیکھ رہے تھے۔ وہ سمجھ نہیں سکے تھے کہ یہ بھکاری یہاں کیوں آیا ہے ـــ یہ کیسے آیا ہے؟ اور اندر آتے ہی اس کی آنکھیں حیرت سے کیوں پھٹ گئی ہیں؟

"آ ـــ آپ سر رحمان ہیں ـــ؟" بھکاری نے ہکلاتے ہوتے لہجے میں پوچھا۔ اُسے اب تک یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ سر رحمان سے مخاطب ہے۔

سر رحمان ایک بھکاری کے منہ سے اپنا نام سُن کر چونک پڑے۔

"تم مجھے کیسے جانتے ہو" ـــ؟ اب حیرانی کی سر رحمان کی باری تھی۔

"پہلے آپ تسلیم کریں کہ درحقیقت آپ ہی سر رحمان ہیں" ـــ بھکاری نے اپنے سوال پر اصرار کیا۔

"ہاں ہاں ـــ میں ہی سر رحمان ہوں" ـــ سر رحمان نے جواب دیا۔

"الٰہی تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے" ـــ بھکاری کے منہ سے بے اختیار کلمہ شکر نکل گیا۔ سر رحمان خاموشی سے بیٹھے اُسے دیکھ رہے تھے۔

"لیکن آپ تو مر چکے تھے" ـــ بھکاری نے اب سامنے رکھی ہوئی کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"ہاں ! ___ دنیا کی نظروں میں مرچکا ہوں" ___ سر رحمان نے افسردہ لہجے میں جواب دیا۔

"لیکن تم کون ہو" ___ ؟ سر رحمان نے اب اس سے پوچھا۔

"آپ نے مجھے پہچانا نہیں" ___ ؟ بھکاری کی آنکھوں میں اب شرارت عود کر آئی تھی۔

"نہیں" ___ سر رحمان نے اُسے بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"پہلے وعدہ کریں کہ اگر پہچان لیا، آپ ماریں گے تو نہیں" ___ بھکاری ایک دوسرے لہجے میں بولا۔

"عمران تم" ___ سر رحمان کو یوں محسوس ہوا کہ جیسے کہیں نزدیک ہی دھماکا ہوا ہو۔ وہ عمران کی آواز پہچان گئے تھے اور پھر وہ ایک جھٹکے سے کرسی سے اٹھ کھڑے ہوتے۔

"ہاں ڈیڈی ! ___ میں عمران ہوں" ___ بھکاری جو دراصل عمران ہی تھا اس نے سر جھکا کر جواب دیا۔

"عمران" ___ سر رحمان کی آواز عمران کو یوں اچانک سامنے دیکھ کر گلوگیر ہو گئی۔ اور انہوں نے بے اختیار ہو کر بازو کھول دیئے۔

عمران کی اپنی حالت بھی پتلی ہو رہی تھی۔ اُسے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے وہ اپنے باپ سے ایک طویل مدت کے بعد مل رہا ہو۔ عمران ایک جھٹکے سے آگے بڑھا اور باپ کے سینے سے لگ گیا۔

سر رحمان بڑی محبت سے اپنے بیٹے کی پشت پر ہاتھ پھیرنے لگے۔ ان کے پدرانہ جذبات ان کی آنکھوں کے راستے سے اُمڈنے کے لئے بے تاب تھے لیکن وہ ضبط کر گئے۔ شاید یہ ان دونوں کی زندگی میں پہلا موقع تھا کہ دونوں باپ بیٹا یوں

بغل گیر ہوئے تھے ورنہ کہاں سر رحمان اور کہاں یہ لاڈ پیار۔ بس وقت اور موقع کی بات تھی، جب امڈتے ہوئے جذبات کو تسکین مل گئی تو وہ علیحدہ ہو گئے۔ اب رحمان صاحب کی نظر عمران کے حلیے پر تھی۔

"یہ تم نے کیا حالت بنا رکھی ہے ___ ؟ کچھ تو باپ کے وقار کا بھی خیال رکھا کرو" ___ سر رحمان کے لہجے میں پرانی سختی عود کر آئی۔

"کیا کروں ڈیڈی ___ ؟ جیب بالکل خالی تھی ___ میں نے سوچا، چلو اسی طرح کچھ جیب خرچ اکٹھا کر لوں" ___ عمران بھی اب پرانے موڈ میں آگیا۔

اس سے پہلے کہ سر رحمان کوئی جواب دیتے۔ ایکدم دروازہ کھلا اور مارٹن اور ایک نقاب پوش اندر داخل ہوئے۔ مارٹن کے ہاتھ میں بدستور مشین گن تھی۔ دونوں باپ بیٹا ان کے یوں اچانک اندر داخل ہونے پر چونک پڑے۔

"ہوں ! ___ تو باپ بیٹے کا ملاپ ہو رہا ہے" ___ نقاب پوش نے تمسخر سے بھرپور لہجے میں کہا۔

عمران ایک بار پھر چونک پڑا۔

"حیران کیوں ہو گئے ہیں آپ دونوں ___ ؟ میں آپ دونوں کی ملاقات کو اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا ہوں" ___ نقاب پوش نے کہا۔

عمران جھلا گیا۔ کیونکہ اس نے جذبات میں آکر یہ خیال بھی نہیں رکھا کہ وہ دشمن کے نرغے میں ہیں اور وہ ابھی اپنی شخصیت کا اظہار کرنا نہیں چاہتا تھا۔

"ہاں تو رحمان صاحب ! ___ دیکھئے کس طرح عمران جال میں آپھنسا" ___ نقاب پوش نے سر رحمان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"ہوں" ___ سر رحمان نے صرف "ہوں" پر ہی اکتفا کیا۔

"مارٹن ! ___ عمران صاحب کو شوٹ کر دو ___ میں دشمن کو زیادہ دیر زندہ رکھنے کا

عادی نہیں ہوں' ـــــ نقاب پوش نے مارٹن کو حکم دیتے ہوئے کہا اور مارٹن نے
مشین گن کا رُخ عمران کی طرف کر دیا۔
مارٹن کی انگلی نے ٹریگر پر ابھی حرکت نہیں کی تھی کہ عمران اڑتا ہوا اس پر آگرا۔
عمران نے یہ حملہ یوں اچانک اور اتنی پھرتی سے کیا تھا کہ مارٹن سنبھل نہ سکا۔ مشین گن
اس کے ہاتھ سے نکل کر ایک طرف جا گری اور وہ عمران سمیت فرش پر آگرا۔
نقاب پوش نے پھرتی سے مشین گن اٹھانی چاہی، مگر سر رحمان کی بھرپور لات
اس کے پہلو میں پڑی اور وہ کراہتا ہوا ایک طرف جا گرا۔
ادھر عمران ابھی تک مارٹن سے بھڑا ہوا تھا۔ مارٹن انتہائی سخت جان اور
لڑائی کے فن میں ماہر معلوم ہوتا تھا۔ فرش پر گرتے ہی وہ یوں اٹھ کھڑا ہوا جیسے اس
کے جسم میں سپرنگ لگے ہوئے ہوں اور دوسرے لمحے اس کا زوردار مُکا اٹھتے ہوئے عمران
کی کنپٹی پر پڑا۔ مُکا واقعی بہت زوردار تھا۔ عمران کا دماغ ایک لمحے کے لئے
سُن ہو گیا اور لڑکھڑا کر ایک طرف جا گرا۔ پھر مارٹن نے عمران کے سینے پر لات مارنی
چاہی مگر اب عمران کے سر پر خون سوار ہو گیا تھا۔ وہ پھرتی سے پہلو بچا گیا اور مارٹن اپنے
ہی زور پر لڑکھڑا گیا۔ دوسرے لمحے عمران تیزی سے اٹھا اور اٹھتے ہی مارٹن پر جھپٹ
پڑا۔ اس نے مارٹن کو یوں اپنے دونوں ہاتھوں پر اٹھا لیا جیسے بچہ کسی کھلونے کو اٹھاتا
ہے۔ ایک بار اس نے تیزی سے اُسے سر پر گھمایا اور پھر زور سے دیوار پر دے مارا۔
مارٹن کے منہ سے ایک باریک چیخ نکلی۔ اس کے سر سے خون بہنے لگا لیکن نجانے
اس میں کتنی قوت برداشت تھی کہ اتنی زبردست چوٹ لگنے کے باوجود وہ پھرتی سے
اٹھا اور ایک بار پھر عمران کے مقابل آ گیا۔
ادھر سر رحمان اور نقاب پوش کے درمیان جنگ جاری تھی۔ سر رحمان کی بوڑھی
ہڈیوں میں اب بھی بے حد دم خم تھا آخر عمران کے والد تھے۔ وہ عمران جیسے دشمن

تک ناقابل تسخیر سمجھتے تھے۔ انہوں نے نقاب پوش کو مکے مار مار کر بے حال کر دیا تھا۔ ان
کی کوشش تھی کہ کسی طرح اس کے منہ سے نقاب اتار لیں لیکن ہر بار نقاب پوش بچ
جاتا۔ سر رحمان نے اس کے سینے پر فلائنگ کک مارنی چاہی مگر اس نے تیزی سے پہلو بچایا
اور دوسرے لمحے وہ اچھل کر دروازے کی دوسری طرف جا گرا۔
ادھر مارٹن جس کا منہ اپنے ہی خون سے سرخ ہو چکا تھا ابھی تک عمران کے مقابل
ڈٹا ہوا تھا۔ ایک بار پھر عمران کے ہاتھ میں اس کی گردن آ گئی۔ اس نے ایک زوردار جھٹکا
دیا۔ مارٹن کے منہ سے کراہ نکلی۔ اس کی گردن کی ہڈی ٹوٹ چکی تھی۔ اس کے منہ سے بھی
خون بہنے لگا اور وہ فرش پر گر کر ہاتھ پیر مارنے لگا۔ چند لمحوں بعد وہ ٹھنڈا ہو چکا تھا۔
مارٹن کے ٹھنڈے ہوتے ہی عمران نے جھپٹ کر مشین گن اٹھائی اور پھر سر رحمان
کا ہاتھ پکڑ کر انہیں تقریباً گھسیٹتا ہوا باہر نکل آیا۔ دوسرے کمرے کا دروازہ باہر سے بند تھا۔
عمران نے تالے پر مشین گن کی گولیوں کی بارش کر دی۔ دروازہ کھل گیا۔ دونوں لپک کر باہر
نکل آئے لیکن باہر آتے ہی ان پر گولیوں کی بوچھاڑ ہو گئی۔ دونوں پھرتی سے زمین پر لیٹ
گئے۔ ایک گولی سر رحمان کے بازو کو چھوتی ہوئی گزر گئی۔ دوسرے لمحے عمران نے مشین گن
کا دھانہ کھول دیا۔ اس نے ایک شخص کو سیڑھیوں کی اوٹ میں چھپے ہوئے دیکھ لیا تھا۔
گولیوں کی بوچھاڑ رک گئی اور وہ شخص مُردہ چوہے کی طرح اڑتا ہوا نیچے فرش پر آگرا۔
'ڈیڈی! ـــ آپ ادھر جائیں۔ میں ابھی آتا ہوں' ـــ عمران نے گیلری کے بائیں
طرف جانے کا کہا اور پھر جھک کر پنڈلی پر بندھا ہوا ریوالور نکال کر ان کے ہاتھ میں پکڑا دیا۔
'مگر تم ـــ ؟ رحمان صاحب نے شائد کچھ اعتراض کرنا چاہا۔ مگر عمران آگے
بڑھ چکا تھا۔
رحمان صاحب ریوالور لئے ادھر بڑھ گئے جس طرف عمران نے اشارہ کیا تھا۔ عمران
نے اگلے بند دروازے پر گولیوں کی بوچھاڑ کر دی۔ دروازہ کھل گیا۔ دروازہ کھلتے ہی اُسے

سامنے جولیا اور کیپٹن شکیل نظر آئے۔ عمران کو یقین تھا کہ دونوں اس کمرے میں ہوں گے کیونکہ اس نے کمرے کے اوپر نمبر دو لکھا ہوا دیکھ لیا تھا۔

"باہر نکلو" ـــــ عمران نے اپنی اصلی آواز میں کہا۔

"عمران تم" ـــــ کیپٹن شکیل اور جولیا نے کہا مگر عمران پیچھے مڑ گیا تھا۔ وہ دونوں پھرتی سے باہر نکل آئے۔ پھر وہ عمران کے پیچھے گیلری کی بائیں سائیڈ پر بھاگنے لگے۔ گیلری کے اختتام پر رحمان صاحب ریوالور لئے دیوار کے ساتھ لگے کھڑے تھے۔

عمران نے وہاں پہنچتے ہی تیزی سے اِدھر اُدھر دیکھا لیکن خفیہ دروازے کا بٹن اُسے کہیں بھی نظر نہ آیا۔

"شکیل تم پیچھے کی طرف خیال رکھنا" ـــــ عمران نے مشین گن شکیل کے ہاتھ میں پکڑا دی اور خود دیوار پر ہاتھ مار کر دیکھنے لگا۔ مگر کچھ بھی نہ ہوا۔ اس وقت ایک ایک لمحہ قیمتی تھا۔

اچانک عمران کو ایک خیال آیا اور اس نے سر پر لگی ہوئی بلب بریکٹ کو کھینچا تو ایک دیوار میں دروازہ نمودار ہو گیا وہ چاروں جھپٹ کر باہر نکلے۔ اب وہ اسی کمرے میں تھے جہاں ٹوٹی ہوئی چارپائیاں اور گندے بستر پڑے ہوئے تھے۔ اسی وقت ان کے پاؤں کے نیچے زمین زور زور سے ہلنے لگی۔

"باہر نکلو" ـــــ عمران زور سے چیخا لیکن اس سے پہلے کہ وہ دروازہ کھول کر باہر نکلتے۔ ایک سماعت شکن دھماکہ ہوا اور پچھلے کمرے کا ملبہ ان پر آگرا۔ وہ چاروں اس کے نیچے دب گئے۔ جولیا کے منہ سے زوردار چیخ نکلی تھی۔ مکان منہدم ہو چکا تھا۔ ہر طرف گرد و غبار چھا گیا۔

رات محبوب کی زلفوں سے بھی زیادہ سیاہ تھی۔ آج شام سے ہی سرد ہواؤں کے جھکڑ چلنے شروع ہو گئے تھے اور اس وقت رات کے دو بجے تھے۔ تمام بازار اور گلیاں سنسان تھیں۔ رات کو گشت کرنے والے محافظ بھی سردی کی شدت سے ہار کر نامعلوم کونوں کھدروں میں چھپے ہوئے تھے۔

شہر میں ابھی تک کشیدگی تھی۔ گو حکومت نے کرفیو کی پابندی ہٹا لی تھی اور فوج کو بھی واپس بلا لیا تھا لیکن اس کے باوجود عوام اور حکومت کے درمیان ایک سرد جنگ جاری تھی۔ عوام ان اچانک برپا ہونے والے فسادات سے خوف زدہ تھے اور حکومت بھپرے ہوئے عوام کے جذبات سے بظاہر نظر نہ آنے والی اسی کشمکش سے رات ہوتے ہی لوگ گھروں سے باہر نکلنا بھول جاتے۔ ورنہ یہ وہی دارالحکومت تھا جس کی راتیں دنوں سے زیادہ پُررونق اور دلکش ہوا کرتی تھیں۔

رات کے اس گھمبیر سناٹے میں ہلکا سا ارتعاش پیدا ہوا اور ایک سیاہ رنگ کی بڑی سی کار جو اپنی رنگت کی وجہ سے تاریکی کا ہی ایک جُز معلوم ہوتی تھی، بے آواز طور پر رینگتی ہوئی اگلے چوک پر واقع ایک قومی بنک کی عظیم الشان عمارت کے ساتھ واقع ایک گلی میں گھس گئی اور آگے جا کر رُک گئی۔ اس میں سے سیاہ لباسوں میں ملبوس چار افراد باہر نکلے۔ ان میں سے تین نے اپنی پشت پر بڑے بڑے پیکٹ بیلٹوں سے باندھ رکھے تھے۔ اور ان کے ہاتھوں میں چھوٹی چھوٹی مشینیں

حامل ہوئی تھیں۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے ایک دروازے کی طرف بڑھے۔ یہ اس کا بڑا دروازہ تھا جو بنک کی عمارت کے عین پشت پر واقع تھا۔ ان میں سے ایک نے آگے بڑھ کر دروازے پر ایک ہلکی سی دستک دی۔ ایک لمحہ ٹھہر کر اس نے دوبارہ مخصوص انداز میں دستک دی، اور اس کے ساتھ ہی دروازہ کھل گیا۔ اندر تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ اس لئے دروازہ کھولنے والا نظر نہ آسکا، صرف اس کی آواز سنائی دی۔

"کوڈ"

"بیگرز" ــــ دستک دینے والے آدمی نے جواب دیا۔ شائد وہ اس پارٹی کا لیڈر تھا۔

"آپریشن نمبر" ــــ دوبارہ سوال کیا گیا۔

"چار" ــــ پہلے والے نے جواب دیا۔

"کم ان" ــــ سوال کرنے والے نے کہا اور پھر وہ چاروں اندر داخل ہو گئے۔ دروازہ بند ہو گیا۔

وہ چاروں تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے برآمدے میں گھس گئے۔ دروازہ بند کرنے والا بھی پیچھے پہنچ گیا۔ برآمدے میں پہنچ کر وہ چاروں رک گئے۔

"میرے پیچھے آؤ" ــــ دروازہ کھولنے والے نے کہا اور وہ چاروں تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے میزبان کے پیچھے چلتے رہے۔

مختلف کمروں سے گزرنے کے بعد وہ ایک کمرے میں آکر رک گئے۔ یہ کمرہ روشن تھا لیکن اس کے دروازے اور کھڑکیوں پر دبیز پردے پڑے ہوئے تھے۔

"یہ کمرہ ہے" ــــ میزبان جو ایک طویل القامت چھریرے بدن کا مالک تھا اس کمرے میں آکر رک گیا۔

"ٹھیک ہے" ــــ ان چاروں میں سے ایک نے جواب دیا، چاروں منہ پر نقاب

چڑھائے ہوئے تھے اور پھر وہ میزبان کمرے سے باہر چلا گیا۔

"مسٹر سکس! ــــ جلدی کرو ــــ وقت بہت تھوڑا ہے" ــــ ایک نقاب پوش نے کہا۔

"ابھی لو باس! ــــ بس چند منٹ میں کام کر دیتا ہوں" ــــ مسٹر سکس نے جس کی کمر پر پیکٹ نہیں لدا ہوا تھا کہا اور آگے بڑھ کر دیوار کے قریب بیٹھ گیا۔ اس نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی چھوٹی سی مشین کا بٹن دبایا تو اس میں سے ایک سوئی باہر نکلی۔ اس نے سوئی کو ایک جگہ سیمنٹ کے پلستر شدہ دیوار پر رکھا اور پھر ایک بٹن دبا دیا۔ سوئی تیزی سے گھومنے لگی اور اس کے ساتھ ہی جیگرڈ کا ہاتھ بھی چلتا رہا۔ سوئی سیمنٹ پر ایک لکیر بناتی ہوئی سیدھی نیچے آنے لگی اور پھر جب جیگرڈ نے سوئی دیوار سے ہٹائی تو وہاں کافی چوڑا ایک مربع صاف نظر آرہا تھا۔ اس نے پھرتی سے مشین کا ایک اور بٹن دبایا تو سوئی واپس اندر چلی گئی۔ اور اب اس کی جگہ ایک پچکاری کی نالی نما سلاخ باہر نکل آئی۔ اس نے وہ نال سوئی کی بنی ہوئی لکیر کے ساتھ لگا کر مشین کو تھوڑا سا ترچھا کیا اور پھر ایک چھوٹا سا بٹن دبا دیا۔ پانچ منٹ تک وہ نال کو دیوار سے لگائے بیٹھا رہا۔ پھر اس نے نال ہٹائی اور مختلف بٹن بند کر کے اس نے مشین نیچے فرش پر رکھ دی اور خود دونوں ہاتھ اس نے مربع کے درمیان رکھ دیئے۔ چند لمحے بعد ایک ہلکی سی چٹ کی آواز آئی اور اس مربع نما جگہ پر لگا ہوا سیمنٹ ایک سل کی طرح اکھڑ کر اس کے ہاتھوں میں آگیا۔ سیمنٹ کی یہ سل اس نے آہستہ سے فرش پر ایک طرف رکھ دی۔ اب اندر اینٹیں صاف نظر آرہی تھیں۔ اس نے دوبارہ مشین اٹھائی اور پھر اس کا بٹن دبا دیا۔ اب اس میں سے ایک باریک سی سلاخ باہر نکل آئی۔ سلاخ کو اس نے دو اینٹوں کے درمیان رکھا اور پھر دوبارہ ایک اور بٹن دبایا تو اینٹیں یک لخت ایک دوسرے سے تھوڑی سی مخالف سمت میں ہٹ گئیں۔

اس نے مشین ہٹا کر اس خلا میں انگلی ڈالی اور ایک زور کا جھٹکا دیا۔ ایک اینٹ صحیح سالم باہر نکل آئی۔ اب وہ پھرتی سے اینٹیں باہر نکال کر ایک طرف لگا رہا تھا۔ یہ دیوار خاصی چوڑی تھی۔ جب اس کے اندازے کے مطابق آگے صرف ایک اینٹ رہ گئی تو اس نے مشین کی سوئی سے پھر پہلے والا عمل دہرایا۔ اور پھر اسی طرح دوسری طرف کی سیمنٹ کی سل بھی اس کے ہاتھوں میں آگئی۔ لیکن اس بار اس سل کے ساتھ اینٹیں بھی چپٹی ہوئی تھیں۔ اب وہاں ایک کافی چوڑا خلا تھا۔

"میرا کام ختم ہو گیا جناب" ——— نمبر سکس نے اٹھ کر ہاتھ جھاڑتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے ——— تم یہیں رکو ——— ہم اندر چلتے ہیں" ——— ایک نقاب پوش نے کہا اور پھر وہ تینوں جھک کر اس خلا میں سے ہوتے ہوئے دوسری طرف چلے گئے۔

یہ بینک کا کیش روم تھا۔ اس میں چاروں طرف الماریاں ہی الماریاں رکھی ہوئی تھیں ایک نقاب پوش ایک بڑی سی الماری کے قریب جا کر رک گیا۔ اس نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی ریوالور نما مشین کا سرا الماری کے دونوں پٹوں کے درمیان رکھا اور پھر ٹریگر دبا دیا۔ ریوالور کی نالی سے گولی کی بجائے دودھیا رنگ کا ایک غبار نکلا اور باریک سی لکیر سے ہوتا ہوا الماری کے اندر چلا گیا۔

چند لمحے بعد ایک ہلکی سی کھٹک کی آواز نکلی اور الماری کے دونوں پٹ کھل گئے۔ یہ سب کچھ ایئر پریشر سے ہوا تھا۔ الماری میں نئے نوٹوں کی گڈیاں ترتیب سے رکھی ہوئی تھیں۔ تمام ایک ہی قسم کے بڑے نوٹ تھے۔

"نمبر ٹو! ——— اپنا پیکٹ خالی کر دو" ——— ایک نقاب پوش نے دوسرے نقاب پوش سے کہا اور اس نے فوراً بیلٹ کھول کر اپنی کمر پر لادا ہوا پیکٹ اتارا اور پھر اس کا منہ کھول کر اس میں سے نوٹوں کے پیکٹ نکال کر باہر فرش پر رکھنے لگا۔ یہ اسی قسم کے بڑے نوٹ تھے جیسے الماری میں تھے۔

الماری میں رکھے ہوئے نوٹوں کے بنڈل نقاب پوش نے نکال نکال کر اپنے تھیلے میں بھر لیے اور اس کی جگہ اپنے تھیلے والے بنڈل اسی ترتیب اور قرینے سے وہاں رکھ دیئے۔ اس طرح انہوں نے تمام الماریوں سے نوٹ تبدیل کئے اور پھر الماریوں کے پٹ دوبارہ بند کر دیئے۔ پٹ بند ہوتے ہی کھٹک کے ساتھ تالے دوبارہ لگ گئے اور پھر چاروں نقاب پوش واپس خلا کی طرف آئے اور پھر اس میں سے ہوتے ہوئے دوبارہ روشن کمرے میں آگئے۔

"ہو گیا کام" ——— نے جو روشن کمرے میں موجود ان کا منتظر تھا ان کے اندر آتے ہی پوچھا۔

"ہاں" ——— ایک نقاب پوش نے جواب دیا۔

"تو پھر میں بقیہ کام کردوں" ——— ؟ نمبر سکس نے پوچھا۔

"ہاں! ——— جلدی کرو" ——— نقاب پوش نے جواب دیا۔

نمبر سکس نے جھک کر اینٹوں پر مشتمل سیمنٹ کی سل اٹھائی اور پھر خلا کی چوڑائی میں بیٹھ کر اس نے بڑے سلیقے سے وہ سل اپنی پرانی جگہ پر فٹ کی اور ایک ہاتھ سے اسے تھام کر اس نے دوسرے ہاتھ سے ایک مشین اٹھائی اور اس کا بٹن دبایا اب اس میں سے ایک پچکاری سی باہر نکلی۔ پچکاری کا سرا اس نے سل کی سائیڈوں پر لگایا اور انگوٹھے سے ایک لیور دبا دیا۔ پچکاری میں سے ایک گاڑھا سا بے رنگ سیال باہر نکلنے لگا جہاں جہاں وہ سیال مادہ لگتا جاتا سل فوراً جڑ جاتی۔ چند لمحوں بعد وہ سل اپنی پرانی جگہ پر فٹ ہو گئی۔ پھر اس نے بڑی پھرتی سے اینٹیں چننا شروع کر دیں۔ اس کے بعد اس نے اینٹیں بھی اسی مخصوص سیال سے جوڑ دیں۔ اور پھر اس

نے پہلے والی سیمنٹ کی سِل کو بھی فٹ کر دیا۔ اب وہاں کوئی لکیر وغیرہ نظر نہیں آرہی تھی۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے اس جگہ کو کسی نے چھیڑا بھی نہ ہو۔ یہ واقعی عجیب و غریب مشین تھی۔

"لیجئے جناب" ــــ نمبر سکس ہاتھ جھاڑتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

"ویری گڈ" ــــ نقاب پوشوں کے لیڈر نے کہا ــــ "اب نکل چلو" ــــ اور پھر وہ چاروں تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے باہر نکل آئے۔ کمرے سے باہر میزبان موجود تھا۔

"کام ہوگیا" ــــ ؟ میزبان نے اشتیاق بھرے لہجے میں پوچھا۔

"ہاں! ــــ اب ہم چلتے ہیں" ــــ نقاب پوش نے جواب دیا۔

"اوکے" ــــ میزبان نے کہا۔

چاروں نقاب پوش تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے دروازہ کھول کر باہر نکلے اور تھوڑی دیر بعد ان کی سیاہ کار سنسان سڑکوں پر تیزی سے دوڑتی چلی گئی۔

"باس! ــ یہ کیا چکر ہے" ــــ ؟ ان میں سے ایک نقاب پوش نے کہا۔

"بہت لمبا چکر ہے نمبر الیون ــــ یہ تو تمہیں علم ہے کہ جو نوٹ ہم الماریوں میں رکھ کر آرہے ہیں وہ جعلی ہیں۔ جعلی نوٹوں کے بدلے ہم اصلی نوٹ وہاں سے لے آتے ہیں آج رات کو ہماری طرح دارالحکومت کے ہر بڑے بنک میں اس قسم کا تبادلہ ہو چکا ہوگا۔ اب کل سے دارالحکومت میں تمام جعلی نوٹ پھیل جائیں گے اور پھر تم دیکھو گے کہ چند دنوں بعد جب اس بات کا انکشاف ہوگا تو ملک میں شدید ترین مالی بحران پھیل جائے گا۔ اتنا شدید مالی بحران کہ حکومت کے پیر اکھڑ جائیں گے" ــــ باس نے تفصیلاً روشنی ڈالتے ہوئے کہا۔

"اوہ ــ واقعی لمبا چکر ہے" ــــ سوال کرنے والے نے حیرت سے کہا۔

"ہاں! ــــ ہمارا چیف باس چھوٹا موٹا چکر نہیں چلایا کرتے" ــــ باس نے جواب دیا۔

اور پھر ان کی کار ایک کوٹھی کے پھاٹک پر جا کر رک گئی۔

سب سے پہلے عمران نے ملبے سے نکلنے کے لیے ہاتھ پیر مارے۔ اس نے محسوس کیا کہ اس پر کافی سے زیادہ مٹی پڑی ہوئی ہے۔ چند لمحے ہاتھ پیر مارنے کے بعد وہ باہر نکل آیا۔ اب گرد و غبار قدرے کم ہو گیا تھا۔

عمران نے اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر اُسے کیپٹن شکیل نظر آگیا۔ وہ لمبے لمبے سانس لے رہا تھا۔ خدا کا یہ شکر تھا کہ کمرے کا درمیانی شہتیر ایک طرف سے ٹوٹا تھا۔ چنانچہ چھت کی کڑیاں وغیرہ کو اس نے روک لیا اور صرف مٹی ہی ان پر پڑی تھی۔ اور پھر تھوڑی سی جدوجہد کے بعد اس نے جولیا اور سر رحمان کو بھی ملبے سے باہر نکال لیا۔ جلد ہی وہ سب ہوش میں آگئے۔ جولیا کے کاندھے پر شاید کسی کڑی کے لگنے سے چوٹ لگی تھی۔

جب سب کو ہوش آیا تو عمران نے اطمینان کا سانس لیا۔ مٹی پڑنے کی وجہ سے وہ سب اس وقت بھوت نظر آرہے تھے۔ اور عمران کا حلیہ تو انتہائی عجیب و غریب ہو چکا تھا۔

ہوش میں آنے کے بعد اب عمران نے محسوس کیا کہ مکان کے گرد انتہائی شور و غل

ہے اور وہ سمجھ گیا کہ بستی والے اکٹھے ہو رہے ہیں۔ اور چند لمحے بعد واقعی بہت سے لوگ باہر کی دیوار جو ابھی تک صحیح سالم کھڑی تھی۔ کود کر اندر آئے اور انہوں نے انہیں سہارا دینا چاہا مگر عمران چیخا۔

" ملبہ اٹھاؤ — ابھی بہت سے لوگ اس میں دفن ہیں" — عمران نے چیخ کر کہا اور سب لوگ ان کا خیال چھوڑ کر ملبہ کی طرف متوجہ ہو گئے۔ یہ چال عمران نے اسی لیے کھیلی تھی کہ لوگوں کی توجہ ان سے ہٹ جائے اور وہ کامیاب رہا۔

تھوڑی دیر بعد وہ سب سڑک پر پہنچ گئے اور پھر جلد ہی ایک ٹیکسی انہوں نے روک لی۔

ٹیکسی ڈرائیور ان کے بھوتوں جیسے حلیے دیکھ کر حیران رہ گیا مگر عمران نے اس کی تسلی کر دی اور پھر سب سے پہلے سر رحمان کو ان کی کوٹھی پر اتارا گیا۔ انہوں نے عمران کو بھی ساتھ آنے کے لیے کہا مگر عمران ٹال گیا۔ پھر ٹیکسی کیپٹن شکیل اور جولیا کو ان کے فلیٹوں پر چھوڑ کر سیدھی دانش منزل پر جا رکی۔

ٹیکسی ڈرائیور کو کرایہ ادا کر کے عمران خود تیزی سے آپریشن روم کی طرف بڑھ گیا۔ پھر جیسے ہی اس نے آپریشن روم کا دروازہ کھولا۔ اس کے سینے پر پسٹول کی خوفناک نال آ لگی۔

" ہینڈز اَپ" — یہ آواز بلیک زیرو کی تھی۔

" گگ — کیوں بھائی — میں نے کیا جرم کیا ہے" — ؟ عمران نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

" اوہ! — عمران صاحب آپ" — بلیک زیرو نے کہا اور دوسرے لمحے چٹ سے کمرہ روشن ہو گیا۔

" عمران صاحب! — آپ اس حلیے میں" — بلیک زیرو اس کا حلیہ دیکھ کر ششدر رہ گیا۔

" جی ہاں جناب کالے صفر صاحب! — مگر ایک بات بتاؤ — جب تم مجھے پہچان نہیں سکے تھے تو تم نے مجھے آپریشن روم تک پہنچنے سے روکا کیوں نہیں" — ؟ عمران نے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے قدرے سخت لہجے میں پوچھا۔

" وہ دراصل بات یہ ہے کہ ویسے تو میں نے اسی وقت ہی آپ کو چیک کر لیا تھا جب آپ منزل میں داخل ہوئے تھے۔ مگر آپ جس بے باک طریقہ سے بڑھتے چلے آ رہے تھے اس پر میں تذبذب میں پڑ گیا۔ پھر میں نے آپ کو آپریشن روم میں روکنے کا پروگرام بنایا" — بلیک زیرو نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

" ٹھیک ہے — لیکن آئندہ میں اس قسم کی بے احتیاطی برداشت نہیں کروں گا"۔ عمران کا لہجہ بے حد سنجیدہ تھا۔

بلیک زیرو کیا جواب دیتا۔ خاموش ہو گیا۔

" میں ذرا باتھ روم ہو آؤں — پھر تفصیل سے بات کروں گا" — عمران نے اٹھتے ہوئے کہا۔

" ٹھیک ہے" — بلیک زیرو کا لہجہ مؤدبانہ تھا اور عمران تیز تیز قدم اٹھاتا کمرے سے نکل گیا۔

عمران کے جانے کے بعد بلیک زیرو کرسی پر بیٹھا سوچ رہا تھا کہ عمران کی یہ حالت کیسے بنی ہو گی۔ بہرحال اُسے زیادہ دیر تک مغز ماری نہ کرنی پڑی۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد عمران اپنی اصلی شکل میں بلیو کلر کا دیدہ زیب سوٹ پہنے مسکراتا ہوا اندر داخل ہوا۔ اس وقت وہ اتنا وجیہہ اور خوبصورت لگ رہا تھا کہ بلیک زیرو کی نظریں بھی چند لمحے تک اس پر گڑھی رہ گئیں۔

" ارے کیوں ٹکر ٹکر دیکھ رہے ہو — ؟ ہمیں شرم آتی ہے" — عمران نے بُری طرح شرمانے کی اداکاری کی۔ اور بلیک زیرو کا بے اختیار قہقہہ نکل گیا۔

"عمران صاحب بس— کاش جولیا اس وقت یہاں ہوتی"—— بلیک زیرو نے ہنستے ہوئے کہا۔

"ارے ارے توبہ کرو— پرائی بیٹیوں کا نام کس بے غیرتی سے لے رہے ہو"— عمران نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ اور بلیک زیرو ایک بار پھر ہنس پڑا۔

"ہاں!— تو سناؤ طاہر!— کیا حالات ہیں آجکل"—— ؟ عمران نے سنجیدگی سے پوچھا۔ اور بلیک زیرو بھی یکدم سنجیدہ ہوگیا۔

"عمران صاحب!— ملک کے حالات انتہائی دگرگوں ہیں"— اور پھر وہ تفصیل سے کل کے فساد کا حال سنانے لگا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے صدر مملکت کی میٹنگ کا حال بھی تفصیل سے سنا دیا۔

"ہوں— تو یہ بات ہے"—— عمران کا چہرہ پتھر کی طرح سخت ہوگیا۔

"پھر تم نے اس سلسلے میں کیا قدم اٹھایا ہے"—؟ چند لمحے کچھ سوچنے کے بعد عمران نے پوچھا۔

"میں کیا کر سکتا تھا— صفدر، کیپٹن شکیل اور جولیا تینوں آپ کے ساتھ ہی غائب ہوگئے تھے"—— بلیک زیرو نے بُرا سا منہ بناتے ہوئے جواب دیا۔

"صفدر بھی غائب ہوگیا"—— ؟ عمران نے چونک کر پوچھا۔ اس کی آنکھوں میں پریشانی ابھر آئی۔

"جی ہاں!— غائب ہوگیا تھا— ابھی دو گھنٹے پہلے وہ سخت زخمی حالت میں پہنچا ہے۔ ابھی تک بیہوش ہے— ڈاکٹر درانی نے اس کا آپریشن کیا ہے۔ اس کے پہلو میں گولی لگی تھی— ڈاکٹر درانی کہہ رہے تھے کہ یہ صفدر کی سخت جان تھی کہ وہ اس حالت میں بھی یہاں پہنچ گیا اور اب تک زندہ ہے—— ورنہ گولی جس مقام پر لگی تھی عام آدمی کی تو موقع پر موت واقع ہو جاتی"—— بلیک زیرو نے تفصیل بتائی۔

"اوہ!— اب کیا حالت ہے اس کی"—— ؟ عمران پریشانی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"ڈاکٹر کے کہنے کے مطابق اب وہ خطرے سے باہر ہے— لیکن اسے ابھی تک ہوش نہیں آیا"—— بلیک زیرو نے کھڑے ہوتے ہوئے جواب دیا۔

"چلو— پہلے میں اسے دیکھنا چاہتا ہوں"—— عمران نے کہا اور پھر وہ دونوں تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے میڈیکل ایڈ روم کی طرف چل پڑے۔

چند لمحے بعد وہ وہاں پہنچ گئے۔ صفدر بیڈ پر لیٹا ہوا تھا۔ ڈاکٹر درانی اس کے قریب کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ صفدر کو گلوکوز دیا جا رہا تھا۔

عمران اور بلیک زیرو کو اندر داخل ہوتے دیکھ کر ڈاکٹر درانی مؤدبانہ انداز میں اٹھ کھڑا ہوا۔

"کیا پوزیشن ہے ڈاکٹر"—— ؟ عمران نے بغور بے ہوش صفدر کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے ڈاکٹر سے پوچھا۔

"اب ان کی حالت خطرے سے باہر ہے— میں نے انجکشن لگایا ہے۔ ابھی چند منٹ میں ہی ہوش میں آنے والے ہیں"—— ڈاکٹر نے مؤدبانہ لہجے میں جواب دیا

"شکر ہے خدایا"—— عمران نے اطمینان کی ایک طویل سانس لی۔

اتنے میں صفدر ہلکا سا کسمسایا۔ اسے ہوش آرہا تھا۔ اسے ہوش میں آتے دیکھ کر بلیک زیرو مڑا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ اب وہاں ڈاکٹر درانی اور عمران رہ گئے تھے۔

ایک لمحے بعد صفدر نے آنکھیں کھول دیں اور اس نے ایک لمحے کے لئے ادھر ادھر دیکھا۔ پھر اس کی نظریں عمران پر جم گئیں۔

"صفدر کیا حال ہے"—— ؟ عمران نے بڑی نرمی سے پوچھا۔

"ٹھیک ہوں عمران صاحب"—— صفدر نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

ڈاکٹر نے صفدر کو ایک انجکشن لگایا اور پھر خاموشی سے کمرے سے باہر نکل گیا۔ اب عمران اور صفدر وہاں رہ گئے۔

"صفدر! ۔۔۔ کیا تم حالات بتانے کی ہمت اپنے آپ میں پاتے ہو"۔۔۔ عمران نے سوال کیا۔

"کیوں نہیں عمران صاحب"۔۔۔ صفدر نے کہا اور پھر وہ تفصیل سے عمران کو اپنے اوپر گذرے ہوئے حالات بتانے لگا۔

دوسرے روز کے اخبارات میں سر رحمان کی زندگی اور پُراسرار واپسی کی خبریں سُرخ حاشیوں میں شائع کی گئیں۔ عمران بھی آج صبح کوٹھی جا پہنچا تھا۔

سر رحمان کی اس طرح اچانک واپسی سے ثریا اور عمران کی والدہ مبہوت رہ گئیں اور پھر ان پر شادیٔ مرگ طاری ہوتے ہوتے رہ گئی۔ بہرحال عمران خوش تھا کہ کوٹھی میں رہنے سے اس کی جان بچ گئی۔ بڑی مشکل سے وہ اجازت لیکر کوٹھی سے نکلا اور پھر اس کی کار مختلف سڑکوں پر گھومتی ہوئی ہوٹل تھری سٹار کے کمپاؤنڈ میں گھس گئی۔ بھکاری کے قتل کا واقعہ اسی ہوٹل میں ہوا تھا۔ عمران دراصل ایک نظر دیکھتے ہی بھکاری کے میک اپ کو پہچان چکا تھا۔ پھر بھکاری کی پوزیشن دیکھ کر وہ سمجھ گیا تھا کہ وہ ہوٹل میں موجود کسی آدمی کے انتظار میں ہے۔ وہ معاملے کو سمجھنے کے لیے اُسے زبردستی ہوٹل میں گھسیٹ کر لے گیا اور جب وہاں اس کا راز کھلنے لگا

تو اُسے گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا۔ قاتل کو وہ دیکھ تو نہیں سکا تھا لیکن اس کا اندازہ تھا کہ قاتل کا تعلق ہوٹل تھری سٹار کی انتظامیہ سے ہے۔

آج عمران کا ارادہ تھا کہ وہ اپنے خیال کی سچائی کو چیک کرے چنانچہ اس کی کار ہوٹل کے کمپاؤنڈ میں مڑ گئی۔ اس نے گاڑی پارکنگ شیڈ میں روکی اور پھر نیچے اتر کر وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا ہوٹل کے مین گیٹ میں داخل ہو گیا۔ ہوٹل کا ہال تقریباً خالی ہی تھا کیونکہ دن کا وقت تھا اور ایسے ہوٹلوں کا بزنس رات کو ہی چمکتا ہے۔

عمران سیدھا کاؤنٹر گرل کی طرف بڑھ گیا۔ کاؤنٹر گرل کسی بڑے سے رجسٹر میں غرق تھی۔ عمران کاؤنٹر کے پاس جا کر رک گیا۔ اس کی موجودگی کا احساس کر کے کاؤنٹر گرل نے سر اٹھایا اور پھر کاروباری انداز میں مسکرا کر پوچھنے لگا۔

"فرمایئے! ۔۔۔ میں آپ کی کیا خدمت کر سکتی ہوں"؟

"یعنی آپ مخدوم بننے کی کوشش کر رہی ہیں"۔۔۔ عمران نے بھی مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"جی کیا مطلب ۔۔۔؟ میں سمجھی نہیں"۔۔۔ کاؤنٹر گرل نے عمران کی بظاہر بے تکی بات پر حیرت سے پلکیں جھپکاتے ہوئے کہا۔

"تو پھر آپ خاک خدمت کریں گی جبکہ آپ مخدوم کا مطلب ہی نہیں سمجھتیں"۔۔۔ عمران کے چہرے پر احمقانہ پن کی جھلکیاں نمایاں تھیں۔

کاؤنٹر گرل شاید اس سوچ میں گم ہو گئی کہ وہ کیا جواب دے۔

"آپ اگر گونگی بنی رہیں تو پھر میری کیا خدمت کریں گی"۔۔۔ عمران نے کہا۔

"یہ بتائیں کہ آپ چاہتے کیا ہیں ۔۔۔؟ فضول باتوں سے میرا وقت مت ضائع کریں" کاؤنٹر گرل نے شاید پریشان ہو کر قدرے سخت لہجے میں جواب دیا۔

"جو میں چاہتا ہوں وہ آپ نہیں کر سکیں گے"۔۔۔ عمران نے قدرے سنجیدہ ہو کر کہا۔

"آپ حکم تو دیجئے" ـــ کاؤنٹر گرل دوبارہ کاروباری موڈ میں آگئی۔

"اچھا ـــ اگر آپ خدمت کرنا ہی چاہتی ہیں تو میں چاہتا ہوں کہ آپ گنجی ہو جائیں اور پھر ہم دونوں مل کر بازار میں بھیک مانگنا شروع کر دیں گے" ـــ عمران نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

کاؤنٹر گرل اس عجیب وغریب فرمائش پر ایک لمحے کے لیے بھونچکی رہ گئی۔

"شٹ اپ ـــ آپ کو مجھ سے مذاق کا کوئی حق نہیں" ـــ کاؤنٹر گرل نے بُری نے جھڑک دیا۔

"دیکھیے مس! ـــ حقیقت میں بڑا ہی خوبصورت منظر ہوگا ـــ آپ گنجی ہوں گی اور آپ کا یہ چھوٹا سا سر کتنا خوبصورت لگے گا ـــ واہ واہ انفرادیت ـــ یقین کیجئے تمام شہر میں آپ کا شہرہ ہو جائے گا اور پھر بھیک....."

"آپ تشریف لے جائیں تو بہتر ہے ورنہ میں" ـــ کاؤنٹر گرل نے غصے سے سرخ ہوتے ہوئے عمران کی بات کاٹ دی۔

"بس ـــ یہی دعویٰ تھا خدمت کرنے کا ـــ اچھا آپ مجھے منیجر کا کمرہ بتلا دیں" عمران نے معصومیت سے کہا۔

کاؤنٹر گرل خون کے گھونٹ پی کر رہ گئی۔ عجیب وغریب گاہک سے واسطہ پڑا تھا۔

"دوسری منزل پر پہلا کمرہ" ـــ اس نے جان چھڑانے والے انداز میں کہا اور عمران یک لخت مڑ گیا۔ جیسے کوئی بات ہی نہ ہوئی ہو۔

عمران کے سیڑھیوں کا موڑ مڑتے ہی کاؤنٹر گرل نے تیزی سے رسیور اٹھایا اور پھر ایک بٹن دبا کر بات شروع کی۔

"باس ـــ ایک نوجوان آپ کے پاس آرہا ہے اس نے گنجے پن اور بھکاری کا اشارہ ڈھکے چھپے لفظوں میں کیا ہے" ـــ کاؤنٹر گرل نے شاید منیجر کو اطلاع

دیتے ہوئے کہا۔

"آنے دو" ـــ منیجر کی کرخت آواز سنائی دی اور کاؤنٹر گرل نے خاموشی سے رسیور رکھ دیا۔

عمران جان بوجھ کر لفٹ کی طرف جانے کی بجائے سیڑھیوں کی طرف مڑا تھا اور مڑتے ہی وہ رک گیا۔ جیسے کچھ سوچ رہا ہو اور پھر اس نے کاؤنٹر گرل کی طرف جھانک کر دیکھا۔ وہ کسی کو فون کر رہی تھی۔ عمران کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے جان بوجھ کر گنجے پن اور بھکاری کا حوالہ دیا تھا کیونکہ جولیا کے بیان کے مطابق اُسے اغوا کرنے والا ایک گنجا بھکاری تھا۔ دوسری طرف صفدر کے بیان کے مطابق اُسے گولی مارنے والا بھی ایک گنجا بھکاری تھا۔ اس لیے اس نے سوچا کہ گنجا بھکاری اس کیس میں خاص اہمیت رکھتا ہے۔ اب وہ تیزی سے سیڑھیاں چڑھ رہا تھا۔ جلد ہی وہ دوسری منزل کے پہلے کمرے کے سامنے پہنچ گیا۔ اس نے ایک لمحے کے لیے رک کر جیب میں ریوالور کی موجودگی کا اطمینان کیا اور پھر دروازے پر دستک دے دی۔

"کم اِن" ـــ اندر سے ایک کرخت آواز آئی

عمران دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔

کمرے میں ایک بڑی میز کے سامنے ایک قوی ہیکل بدصورت شکل والا ادھیڑ عمر شخص بیٹھا تھا۔ عمران بھی آگے بڑھ کر ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

"فرمایئے" ـــ منیجر نے اپنی چمکتی ہوئی نظریں اس کے چہرے پر جماتے ہوئے پوچھا۔

"فرماتے ہیں۔ فرماتے ہیں ـــ ذرا سانس تو لینے دیجئے ـــ سیڑھیاں چڑھتے چڑھتے سانس چڑھ گیا ہے ـــ آپ سیڑھیوں کی تعداد ذرا کم نہیں کر سکتے" ـــ عمران نے تیز تیز سانس لیتے ہوئے سوال کیا۔

"آپ مطلب کی بات کیجئے مسٹر ـــــ میرے پاس فضول وقت نہیں ہے" ـــــ منیجر نے کرخت لہجے میں کہا۔

"آپ مجھے آرڈر دیجئے۔ میں آپ کو کافی مقدار میں فضول وقت سپلائی کر سکتا ہوں" ـــــ عمران بدستور حماقت پر تلا ہوا تھا۔

اب منیجر بھلا کیا جواب دیتا۔ اس نے خاموشی ہی میں عافیت جانی۔

چند لمحے تک کمرے میں خاموشی طاری رہی۔ اور پھر عمران نے ہی سکوت توڑا۔ اور بولا۔

"منیجر صاحب! ـــ میں نے سنا ہے کہ بھکاریوں سے آپ کے اچھے خاصے تعلقات ہیں" ـــ عمران نے منیجر کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"میرا اور بھکاریوں سے تعلق ـــ آپ گھاس تو نہیں کھا گئے" ـــ منیجر نے غصے سے آنکھیں نکالیں۔

"اگر مہنگائی کا یہی عالم رہا تو ایک دن گھاس بھی کھانی پڑے گی ـــ کیا کریں مجبوری ہے" ـــ عمران پھر پٹڑی سے اتر گیا۔

"اوہ ـــ کیا مصیبت ہے ـــ کس پاگل سے واسطہ پڑ گیا ہے" ـــ منیجر نے جھلاتے ہوئے کہا۔ اور پھر اس نے میز کے کنارے پر لگا ہوا ایک بٹن دبا دیا۔ عمران خاموش بیٹھا رہا۔

ایک لمحے بعد دروازہ کھلا اور ایک نوجوان اندر داخل ہوا۔ اس کا چہرہ ہی بتا رہا تھا کہ وہ شرافت کے دائرے سے دور ہو چکا ہے۔

"یس ـــ" اس نے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔

"ٹونی! ـــ ان صاحب کو باہر کا راستہ دکھاؤ" ـــ منیجر نے معنی خیز لہجے میں کہا اور دوسرے لمحے ٹونی نے اپنا وہ ہاتھ جو وہ پشت کی طرف کیے ہوئے تھا۔ پھرتی سے

آگے کر دیا۔ اس کے ہاتھ میں ریوالور چمک رہا تھا۔

عمران نے مسکرا کر منیجر کی طرف دیکھا۔ مگر اب منیجر کے ہاتھ میں بھی ریوالور نظر آ رہا تھا۔

"جلدی مسٹر" ـــ ٹونی نے کرخت لہجے میں عمران کو حکم دیا۔

"بڑی جلدی کھل گئے دوست" ـــ عمران نے سنجیدگی سے کہا۔

"مسٹر عمران! ـــ ہم کافی عرصے سے آپ کی تلاش میں تھے ـــ آج آپ خود بخود ہی جال میں آ پھنسے ہیں" ـــ منیجر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"یہ عمران ہے ـــ؟" ٹونی نے چونک کر پوچھا۔

"ہاں" ـــ منیجر نے جواب دیا۔

"پھر تو آپ اسے میرے حوالے کر دیں باس! ـــ کافی عرصے سے میں اس کی تعریفیں سن رہا ہوں ـــ آج میں اس کے کس بل دیکھنا چاہتا ہوں" ـــ ٹونی نے مغرورانہ لہجے میں کہا۔

"ٹھیک ہے ـــ تمہیں اجازت ہے ـــ میں بھی دیکھنا چاہتا ہوں کہ تمہارے بازوؤں میں کتنی طاقت ہے" ـــ منیجر نے اسے اجازت دیتے ہوئے کہا۔ اور ٹونی نے پھرتی سے ریوالور جیب میں رکھ لیا۔ اب اس کی آنکھیں وحشیانہ انداز میں چمک رہی تھیں۔

عمران مسکراتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

"ہاں تو مسٹر ٹونی! ـــ تمہارے بازوؤں میں کتنی ہارس پاور ہے ذرا میں بھی تو دیکھوں" ـــ عمران نے اسے چڑاتے ہوئے کہا۔

اور ٹونی نے جواب دینے کی بجائے اچانک عمران پر چھلانگ لگا دی۔ عمران پھرتی سے ایک طرف ہٹ گیا اور ٹونی سنبھل نہ سکا اور وہ لڑکھڑاتا ہوا سامنے والی دیوار

سے ٹکرایا۔

اسی لمحے عمران اپنی جگہ سے اُچھلا اور دوسرے لمحے منیجر اپنی کرسی سمیت پیچھے الٹ گیا۔

اب ٹونی تو عمران پر جھپٹ پڑنے کے لیے دوبارہ تیار تھا۔ ایک لمحے کے لیے جھجک گیا کیونکہ درمیان میں بڑی میز حائل تھی۔ یہ تو عمران ہی تھا جو ایک پرندے کی طرح اڑتا ہوا میز کراس کر کے منیجر پہ جا پڑا تھا۔ ٹونی اتنی ہمت نہ کر سکا۔

عمران اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے ٹھوکر مار کر منیجر کے ہاتھ سے گرے ہوئے ریوالور کو ایک طرف کر دیا۔ اور پھر دوسرے لمحے اس نے میز الٹا دی۔ ٹونی جو مڑ کر اس کی طرف آ رہا تھا۔ بڑی مشکل سے اچھل کر میز کی زد سے بچا۔ اسی لمحے سے فائدہ اٹھا کر عمران نے اٹھتے ہوئے منیجر کی کنپٹی پر مکا جڑ دیا۔ مکا یا تو کسی مخصوص جگہ پر پڑا تھا یا اس میں اتنی قوت تھی کہ منیجر دوبارہ نہ اٹھ سکا۔ اور وہ ہاتھ پیر مارتے ہوئے بیہوش ہو گیا۔ اتنے میں ٹونی عمران پر آ گرا اور وہ دونوں لڑھکتے ہوئے فرش پر جا گرے۔ اور پھر دونوں ہی یکساں پھرتی سے ہی اٹھ کھڑے ہوئے۔ ٹونی یقیناً کافی سے زیادہ چست اور طاقتور تھا۔ اب وہ دونوں ایک دوسرے کے مقابل تھے۔

اُسی لمحے ٹونی نے بایاں ہاتھ ہلا کر دایاں مکا مارنا چاہا مگر عمران بھلا ان حربوں میں کہاں آنے والا تھا۔ اس نے پہلو بچا کر ٹونی کا وار بچایا اور پھر اچھل کر ایک زوردار ٹکر ٹونی کی ناک پر ماری۔ اور ٹونی کی بے چیخ نکل گئی۔ ٹکر کافی بھرپور پڑی تھی۔ وہ لڑکھڑا گیا۔ دوسرے لمحے عمران کی دونوں ٹانگیں اس کے سینے پر پڑیں اور وہ ڈگراتا ہوا زمین بوس ہو گیا۔ عمران نے گردن سے پکڑ کر اُسے کھڑا کیا اور پھر ایک مکا جڑ دیا۔ مگر ٹونی بھی اس دوران اپنا وار کر چکا تھا۔ اس کا زوردار مکا عمران کے پیٹ پر پڑا تھا۔ اب عمران کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ اس نے ٹونی کی گردن پر کھڑی ہتھیلی کا وار کیا۔ وار اتنا

بھرپور پڑا کہ ایک چیخ کی آواز آئی اور ٹونی کی کریہہ چیخ سے کمرہ گونج اٹھا۔ اس کی گردن کی ہڈی ایک ہی وار سے ٹوٹ چکی تھی۔ وہ فرش پر گر کر ایک لمحے کے لیے تڑپا اور پھر ٹھنڈا ہو گیا۔

عمران نے لاپرواہی سے ہاتھ جھاڑے اور پھر دوبارہ کرسی پر بیٹھ گیا۔ منیجر ابھی تک بیہوش پڑا تھا۔ عمران سوچنے لگا کہ اب بیہوش منیجر کو کس طرح ہوٹل سے اٹھا کر لے جائے وہ اسے دانش منزل لے جانا چاہتا تھا تاکہ اس سے پوچھ گچھ کر کے مزید تفصیلات معلوم کر سکے۔ لیکن بھرے ہوٹل سے بے ہوش منیجر کو نکال کر لے جانا کوئی آسان کام نہیں تھا عمران نے پہلا کام تو یہ کیا کہ دروازے کو اندر سے لاک کیا اور پھر وہ باہر کھلنے والی کھڑکی کی طرف بڑھا۔ اس نے کھڑکی کھول کر نیچے جھانک کر دیکھا۔ یہ کھڑکی سامنے کمپاؤنڈ کی طرف کھلتی تھی۔ روشن دن تھا اور کمپاؤنڈ میں خاصی چہل پہل تھی۔ اُسے کوئی ترکیب سمجھ نہیں آ رہی تھی۔

وہ ایک لمحے کے لیے سوچتا رہا۔ پھر اس کی ریڈی میڈ کھوپڑی میں ایک ترکیب آ ہی گئی۔ گو اس میں سو فیصد رسک تھا لیکن رسک لینا تو عمران کی ہابی تھی۔ اس لیے اس نے زیادہ پرواہ نہ کی اور اپنی ترکیب پر عمل کرنے کا پورا فیصلہ کر لیا۔ اس نے تیزی سے بیہوش منیجر کو کاندھے پر لادا اور دوسرے لمحے دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔ گیلری بالکل خالی تھی۔ وہ تیزی سے سیڑھیاں اترنے لگا۔

ابھی وہ چند سیڑھیاں ہی اترا تھا کہ سامنے سے ایک آدمی تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اوپر آ رہا تھا اور عمران کو یوں کسی کو کاندھے پر اٹھائے اترتا دیکھ کر وہ رک گیا۔ منیجر کا منہ چونکہ عمران کی پشت کی طرف تھا اس لیے وہ سمجھ نہ سکا کہ کاندھے پر کون لدا ہوا ہے۔

"کیا بات ہے"۔۔۔۔ اس کے لہجے میں پریشانی کے ساتھ ساتھ حیرت بھی تھی۔

"کچھ نہیں"۔۔۔۔ عمران نے اس کے قریب آتے ہوئے کہا اور پھر وہ سیڑھیاں اترتا

چلا گیا۔

وہ شخص ایک لمحے کے لیے حیران کھڑا دیکھتا رہا۔

عمران سیڑھیاں اتر کر ہال میں پہنچ گیا۔ ہال میں بیٹھے ہوئے لوگ اُسے اس حالت میں دیکھ کر چونک اٹھے۔ لیکن اس نے کسی کی پرواہ نہ کی اور تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا مین گیٹ سے نکلتا چلا گیا۔

مین گیٹ پر موجود دربان نے حیرت سے عمران کو دیکھا اور پھر وہ مینجر کو پہچان گیا۔ اس لیے وہ چیخا۔

"مینجر صاحب کو کیا ہوا ——؟"

"کچھ نہیں —— بیہوش ہو گئے ہیں" —— عمران نے کہا اور آگے بڑھ گیا۔

دربان حیرت زدہ کھڑا رہ گیا۔

عمران تقریباً بھاگتا ہوا پارکنگ شیڈ کی طرف بڑھا۔ پھر اس نے پھرتی سے کار کا دروازہ کھولا اور بے ہوش مینجر کو پچھلی سیٹ پر پھینک دیا۔ اسی لمحے ہوٹل میں شور مچا اور پھر کئی بیرے اور دوسرے لوگ شور مچاتے ہوئے مین گیٹ سے نکلے۔

"پکڑو —— اسے پکڑو —— یہ قاتل ہے —— اور مینجر صاحب کو اغوا کر کے لے جا رہا ہے" —— لوگ شور مچاتے ہوئے پارکنگ شیڈ کی طرف بھاگ رہے تھے۔ مگر عمران اتنے میں کار سٹارٹ کر چکا تھا۔ اور پھر کار بیک ہوئی اور دوسرے لمحے ہوا کی تیزی سے کمپاؤنڈ سے باہر نکل گئی۔

عمران کی ترکیب کامیاب رہی۔ ترکیب کیا تھی۔ ایک سیدھا سادھا طریقہ تھا۔ عمران نے لوگوں کی نفسیات سے فائدہ اٹھایا تھا اور مینجر کو لے اڑا تھا۔ گو اس میں بہت رسک تھا لیکن عمران نے اس کی کبھی پرواہ نہیں کی تھی۔ جلد ہی اس کی کار دانش منزل کے گیٹ میں داخل ہو گئی۔

جعلی نوٹ لاکھوں کی تعداد میں پکڑے جانے لگے۔ پولیس نے دھڑا دھڑ جعلی نوٹ رکھنے والے لوگوں کو گرفتار کرنا شروع کر دیا۔ لوگوں میں اس بے پناہ گرفتاریوں کے خلاف اضطراب کی لہر دوڑ گئی۔ کیونکہ گرفتار ہونے والے تمام لوگ معزز تاجر اور معزز شہری تھے۔

اور پھر اچانک یہ افواہ جنگل کی آگ کی طرح تمام دارالحکومت میں پھیل گئی کہ ملک میں موجود تمام نوٹ جعلی ہیں اور تمام جعلی نوٹ مختلف بنکوں کے ذریعے بازار میں پھیل رہے ہیں یہ افواہ تھی کہ ایٹم بم پھٹا۔ اور تمام ملک کو شدید ترین مالی بحران میں مبتلا کر گیا۔ قیمتیں یکدم آسمانوں پر چڑھ گئیں۔ لوگوں کو ملکی کرنسی پر اعتبار نہ تھا۔ کاروبار ٹھپ ہو گئے۔

پولیس نے بنکوں پر چھاپے مار کر تمام جعلی نوٹ برآمد کر لیے۔ بحران روز بروز بڑھتا چلا گیا۔ حکومت بوکھلا گئی۔ یہ ایک کاری ضرب تھی۔ اگر فوری طور پر اس کا سدباب نہ کیا جاتا تو ملک یقیناً دیوالیہ ہو جاتا۔

چند ہی دنوں میں حالات اس حد تک پہنچ گئے کہ حکومت کو ملکی کرنسی کی قیمت کم کرنی پڑی جس سے ملک کی تمام دنیا میں ساکھ ٹوٹ گئی۔ یہ ایک زبردست دھماکہ تھا اور حکومت چیخ اٹھی۔ پولیس اور سی آئی ڈی اور تمام خفیہ محکمے اس کا سراغ لگانے کے لیے سرگرم ہو گئے۔

جب سے سر رحمان صاحب زندہ ہو کر واپس آئے تھے۔ فیاض کچھ بجھا بجھا سا رہتا تھا۔ شاید ڈائریکٹر جنرل بننے کا خواب ادھورا رہ گیا تھا۔ بہرحال اس مالی بحران کی وجہ سے سب سے زیادہ شامت اسی کی آئی۔ رحمان صاحب نے اسے سختی سے جھاڑ دیا۔ حتیٰ کہ اعلیٰ افسران نے اُسے فون پر حکم دیا کہ وہ فوراً مجرموں کا سراغ لگاتے۔ معاملہ واقعی بہت نازک تھا اور فیاض کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے تمام حکومت اُس کی دشمن ہو گئی ہو۔

جب دباؤ حد سے زیادہ بڑھ گیا تو وہ بوکھلا کر عمران کے فلیٹ کی طرف بھاگا۔ عمران چند ہی لمحے پہلے دانش منزل سے ہوتا ہوا وہاں پہنچا تھا۔ فیاض نے اپنی کار فلیٹ کے نیچے ہی روک دی اور پھر بغور اِدھر اُدھر دیکھتا ہوا سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ فلیٹ کی نئی تعمیر کے بعد وہ پہلی بار یہاں آیا تھا۔ اس لیے وہ سیڑھیاں چڑھنے کے ساتھ ساتھ امتحانی نظروں سے اِدھر اُدھر کا جائزہ لیتا رہا۔

چند لمحے بعد وہ دروازے کے سامنے موجود تھا۔ اس نے کال بیل کے بٹن پر انگلی رکھی اور پھر دروازہ کھلنے کا انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر انتظار کرنے کے بعد جب دروازہ نہ کھلا تو اس نے جھنجھلا کر کال بیل کے بٹن پر انگلی رکھ کر پورا دباؤ دے دیا اور پھر اس وقت تک انگلی نہ ہٹائی جب تک دروازہ نہ کھلا۔ دروازے کے دونوں پٹوں کے درمیان اُسے سلیمان کی جھنجھلائی ہوئی شکل دکھائی دی۔

"کیا بات ہے"—؟ سلیمان یوں غرایا جیسے وہ انتہائی غصے میں ہو۔

"پیچھے ہٹو"— فیاض کو بھی غصہ آگیا۔ اس نے سلیمان کو ایک طرف دھکیلا اور بڑبڑاتا ہوا اندر داخل ہو گیا۔ اور اس نے سلیمان کی طرف قطعی توجہ نہ دی جو اُسے کھا جانے والی نظروں سے اُسے گھور رہا تھا۔

ڈرائنگ روم خالی تھا۔

"عمران کہاں ہے"—؟ ڈرائنگ روم خالی دیکھ کر فیاض غصے سے دھاڑا۔

سلیمان جو دروازہ بند کر کے اس کے پیچھے پیچھے آیا تھا۔ حیرت سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔

"ابھی تو یہیں تھے"— سلیمان نے حیرت زدہ لہجے میں کہا۔

"تو اب کہاں غائب ہو گیا"—؟ فیاض بدستور جھنجھلایا ہوا تھا۔

میری جیب میں ہو گا"— سلیمان کو بھی اس کے اندازِ تخاطب پر غصہ آگیا تھا۔

"شٹ اپ"— فیاض غصے سے پاگل ہو گیا۔ اور اس نے سلیمان کو تھپڑ مارنے کے لیے ہاتھ اٹھایا۔

ارے ارے— ہائیں— تم لوگ یہاں چیخنے کا مقابلہ کر رہے ہو"— عمران ایک بڑے صوفے کی پشت سے نکلتا ہوا بولا۔ اور فیاض کا ہاتھ اٹھے کا اٹھا رہ گیا۔

تمہیں شرم نہیں آتی بچوں جیسی حرکتیں کرتے ہوئے"— فیاض اب عمران پر پلٹ پڑا۔

"پہلے آتی تھی لیکن اب نہیں آتی— ہائے اسی کے ہونے نے تو مجھے کہیں کا نہیں چھوڑا— کاش تم اسے اپنے ساتھ لے آتے— مگر تم کیوں اپنے ساتھ لے آتے— تم تو سپرنٹنڈنٹ ہو۔ کیپٹن ایجنٹ تو نہیں— ہائے کوئی ہمارا" عمران اپنی ترنگ میں بولتا چلا گیا۔

"بند کرو یہ بکواس"— فیاض کا دماغ آؤٹ ہو گیا۔ وہ غصے اور جھنجھلاہٹ کی انتہا پر پہنچ گیا تھا۔

عمران نے ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے زور سے ہانک لگائی۔

"سلیمان!— ایک گلاس ٹھنڈا پانی لاؤ— بھائی فیاض کو دماغی بخار ہو گیا ہے"

فیاض جو غصے سے لرز رہا تھا اپنے آپ پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگا۔ کیونکہ اُسے خیال آ گیا تھا کہ اس نے عمران سے کام لینا ہے۔ وہ صوفے پر بیٹھ گیا اور آنکھیں بند کر لیں۔ اس کا چہرہ جو سرخ ہو گیا تھا اب آہستہ آہستہ ماند پڑنے لگا۔

"ارے ارے — یار کہیں بے ہوش تو نہیں ہو رہے — اگر بے ہوش ہو رہے ہو تو بھائی پہلے بتا دو تمہیں کس چیز سے ہوش آتا ہے — میں تو سات جوتے مارنے کا نسخہ استعمال کیا کرتا ہوں" — عمران بولتا رہا۔

فیاض نے آنکھیں کھول دیں اور اب وہ اپنے آپ پر قابو پا چکا تھا۔

"پکے سوّر ہو تم — آدمی کو اتنا زچ کر دیتے ہو کہ وہ پاگل ہو جاتا ہے" — فیاض کے چہرے پر اب ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔

"تم تو میرے خیال میں بھٹی سے کچے ہی نکل گئے ہو گے — اور ہاں دیکھی میرے نسخے کی تاثیر۔ استعمال کرنے کی بھی نوبت نہیں آئی اور تم ہوش میں آ گئے ہو" — عمران ہاتھ نچا نچا کر کہنے لگا۔

"اب چائے بھی پلواؤ گے یا یونہی جی جلاتے رہو گے" — فیاض بے بسی سے بولا۔

"چائے بھی پلواؤں گا اور جی بھی جلاؤں گا" — عمران نے کہا اور پھر زور سے چیخا۔

"سلیمان — او بھئی سلیمان! — ذرا جلدی سے چائے بنا کر لے آؤ۔ اور ہاں! ساتھ ہی ماچس اور مٹی کا تیل بھی لیتے آؤ — میں ذرا سوپر فیاض کا جی جلا دوں"۔

"عمران! — بعض اوقات تم گھٹیا فقرے بازی پر اتر آتے ہو" — فیاض نے بُرا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔

"پھر تم کہتے ہو تو میں اعلیٰ پیرا گراف بازی پر چڑھ جاتا ہوں" — عمران بدستور ایک ہی موڈ میں تھا۔

فیاض جواب دینے کی بجائے خاموش رہا۔

ایک لمحے بعد عمران رازدارانہ طور پر آگے کی طرف جھک کر آہستہ سے بولا۔

"فیاض! — جعلی نوٹوں کا دھندا کیسا چل رہا ہے —؟"

اور فیاض یوں اچھل پڑا جیسے کسی بچھو نے ڈنک مار دیا ہو۔

"تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ میں اسی مقصد کے لیے آیا ہوں" —؟ فیاض نے حیرت زدہ لہجے میں کہا۔

"مجھے الہام ہوتا ہے" — عمران مسکرایا۔

اور پھر اس سے پہلے کہ فیاض کچھ کہتا۔ کال بیل زور زور سے بجنے لگی۔ اور فیاض چونک پڑا۔

"سلیمان! — دیکھنا کون ہے" — عمران نے ہانک لگائی۔

سلیمان بڑبڑاتا ہوا بیرونی دروازے کی طرف بڑھا۔

ایک لمحے خاموشی طاری رہی اور پھر دوسرے لمحے سلیمان کی کراہ سے کمرہ گونج اٹھا اور اس کے ساتھ ہی کسی چیز کی دھم سے نیچے گرنے کی آواز سنائی دی تھی۔ شائد سلیمان ہی گرا تھا۔

عمران اور فیاض دونوں اچھل کر کھڑے ہو گئے۔ مگر دوسرے لمحے چار نقاب پوش دندناتے ہوئے کمرے میں داخل ہو گئے۔ ان کے ہاتھوں میں سائلنسر لگے ریوالور تھے۔

"خبردار! — اگر تم دونوں اپنی جگہ سے ہلے" — ان میں سے ایک نقاب پوش نے چیخ کر کہا۔

"تم نے سلیمان کو گولی مار دی ہے" —؟ عمران کے چہرے پر بے پناہ سنجیدگی تھی۔

"اگر تم اس شخص کے متعلق پوچھ رہے ہو جس نے دروازہ کھولا تھا تو وہ اب تک ملک عدم پہنچ چکا ہو گا اور اب تمہاری باری ہے" — نقاب پوش نے چیخ کر کہا۔

"ہوں ـــــ اس کا مطلب ہے کہ تم نے اپنی موت کے پروانے پر دستخط کر دیئے ہیں" ـــــ عمران جو بے حد سنجیدہ تھا بولا۔

فیاض ابھی تک حیرت بھری نظروں سے چاروں ریوالور بردار نقاب پوشوں کو دیکھے جا رہا تھا۔

"اب مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ عمران" ـــــ ان میں سے ایک نقاب پوش نے ٹریگر پر انگلی کو خفیف سی حرکت دیتے ہوئے کہا۔

"چلاؤ گولی" ـــــ عمران نے سنجیدگی سے کہا۔

نقاب پوش عمران کے اطمینان اور سنجیدگی سے ایک لمحے کے لیے جھجک گیا اور یہی لمحہ اس کے لیے خطرناک ثابت ہوا۔

عمران اپنی جگہ سے برق کی طرح اچھلا اور دو نقاب پوشوں کے درمیان سے ہوتا ہوا دوسری طرف جا کھڑا ہوا۔ اس سے پہلے کہ وہ مڑتے۔ ایک زوردار لات ایک نقاب پوش کی کمر میں لگی اور پھر اس کی بھیانک چیخ سے کمرہ گونج اٹھا۔ لات کھا کر وہ سیدھا دوسرے نقاب پوش سے جا ٹکرایا تھا جو ٹریگر پر انگلی دبا چکا تھا۔ گولی سیدھی نقاب پوش کے سینے میں پڑی تھی۔

عمران نے دوسرے نقاب پوش کو ایک لمحے کے لیے بھی فرصت نہ دی اور اس نے اس کی گردن میں بازو ڈال کر سینے سے لگا لیا۔ اب عمران محفوظ تھا۔

فیاض کو بھی ہوش آ گیا تھا اور شکر ہے کہ اسے عین وقت پر ہوش آیا تھا کیونکہ وہ جیسے ہی جھکا تھا ایک نقاب پوش کے ریوالور سے نکلی ہوئی گولی عین اس کے سر کے اوپر سے گذر گئی۔ اس نے بھی پھرتی دکھائی اور اس سے پہلے کہ وہ دوسری گولی چلاتا فیاض اچھل کر اس پر آ گرا۔

ادھر عمران نے پکڑے ہوئے نقاب پوش کو اٹھا کر چوتھے نقاب پوش پر دھکیل

دیا۔ اب ان تینوں کے ہاتھ سے ریوالور نکل چکے تھے۔

جس نقاب پوش کو گولی لگی تھی وہ مر چکا تھا۔ پھر وہاں بھیانک جنگ شروع ہو گئی۔

اچانک عمران کو سلیمان کا خیال آ گیا جس کی کراہ کمرے میں گونجی تھی اور پھر وہ بغیر آواز نکالے ڈھیر ہو گیا تھا۔

ادھر فیاض نے ایک نقاب پوش کو مکے مار مار کر بیہوش کر دیا تھا چوتھا نقاب پوش اس حالت سے خوفزدہ ہو کر باہر کی طرف لپکا۔

عمران اچھل کر باہر کی طرف جانے لگا۔ اسی لمحے فیاض نے بھی باہر کی طرف بھاگتے ہوئے نقاب پوش کو پکڑنے کے لیے چھلانگ لگائی اور پھر وہ عمران سے ٹکرایا اور وہ دونوں ٹکرا کر دروازے میں گر گئے۔

"ہت تیرے کی ـــــ تمہیں کس حکیم نے چھلانگ لگانے کو کہا تھا" ـــــ عمران چیخا اور فیاض بھی کراہتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

نقاب پوش وہاں سے جا چکا تھا لیکن عمران پھر بھی دوڑتا ہوا دروازے کی طرف لپکا۔ نقاب پوش نے تو خیر وہاں کہاں ہونا تھا البتہ سلیمان دروازے کے قریب پڑا ہوا تھا اور اس کے ارد گرد خون ہی خون پھیلا ہوا تھا۔ وہ اوندھے منہ پڑا ہوا تھا۔

عمران نے پھرتی سے اسے سیدھا کیا تو وہ آخری سانسوں پر تھا۔ چہرے پر موت کی زردی چھا گئی تھی۔ دراصل خون بہت زیادہ نکل چکا تھا۔ عمران کو زندگی میں پہلی دفعہ افسوس ہوا کہ اس نے نقاب پوشوں سے نپٹنے میں دیر کیوں لگائی۔ سلیمان کی حالت سخت خراب تھی۔ اتنے میں فیاض بھی وہاں پہنچ چکا تھا۔

"یہ تو مر رہا ہے عمران" ـــــ فیاض نے انتہائی تیز لہجے میں کہا۔

عمران سلیمان کی نبض پکڑے بیٹھا تھا۔ نبض کی رفتار آہستہ آہستہ مدھم

ہو رہی تھی ـــــ ڈوب رہی تھی ـــــ سلیمان مر رہا تھا ـــــ اور عمران بے بس تھا۔

ٹیلیفون کی گھنٹی بجتے ہی کیپٹن شکیل کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے پھرتی سے رسیور اٹھا لیا۔

"یس شکیل سپیکنگ۔"

"ایکسٹو" ـــــ دوسری طرف سے ایکسٹو کی مخصوص آواز سنائی دی۔

"یس سر" ـــــ کیپٹن شکیل کا لہجہ مودبانہ ہو گیا۔

"کیپٹن! ـــــ مین بازار کے مشرق میں تیسری گلی کے اندر بیسواں مکان مجرموں کا اڈہ ہے۔ صفدر کو وہیں زخمی کیا گیا تھا ـــــ تم نے آج اس اڈے کے متعلق پوری معلومات مہیا کرنی ہیں اور اگر وہاں کوئی گنجا قوی ہیکل سا شخص موجود ہو تو اس کو اغوا کر کے دانش منزل لے آؤ" ـــــ ایکسٹو نے کیپٹن شکیل کو حکم دیتے ہوئے کہا۔

"بہت بہتر جناب! ـــــ میں ابھی جاتا ہوں" ـــــ کیپٹن شکیل نے جواب دیا۔

"اوکے" ـــــ ایکسٹو نے کہا اور پھر رسیور رکھ دیا۔

کیپٹن شکیل نے میک اَپ کیا اور پھر فلیٹ سے نکل کر اس نے ٹیکسی پکڑی اور مین بازار کے سرے پر اتر گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ تیسری گلی میں داخل ہو چکا تھا۔ اس نے جیب میں موجود ریوالور کو ہاتھ لگا کر اپنا اطمینان کیا اور پھر بے پرواہی سے گلی سے

گذرنے لگا۔ وہ مکان گنتا چلا جا رہا تھا۔ گلی خالی تھی۔ اور پھر وہ بیسویں مکان کے سامنے جا کر رک گیا۔

یہ ایک خاصا بڑا مکان تھا اور اس کا سامنے والا دروازہ بند تھا۔ اس کے علاوہ اور کوئی ایسا راستہ نہیں تھا جس کے ذریعے کیپٹن شکیل مکان کے اندر داخل ہوتا۔ کیپٹن شکیل شش و پنج میں پڑ گیا کہ اب کیا کرے؟ کیونکہ اگر وہ دروازے پر دستک دیتا تو یقیناً مکان والوں کی نظر میں آ جاتے۔

اس نے اِدھر اُدھر نظر دوڑائی تو ساتھ والے مکان کی چھت اُسے اس مکان سے ملی ہوئی نظر آئی۔ اس نے اس مکان کے ذریعے مطلوبہ مکان کے اندر داخل ہونے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ اس نے ساتھ والے مکان کا دروازہ پر دستک دے دی۔ چند لمحے کے توقف کے بعد دروازہ کھلا اور اس میں سے ایک بوڑھے شخص نے سر باہر نکالا۔

"فرمایئے" ـــــ اس نے بغور کیپٹن شکیل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں پراپرٹی ٹیکس آفیسر ہوں اور ٹیکس کی تشخیص کے لیے آپ کے مکان کا جائزہ لینا چاہتا ہوں" ـــــ کیپٹن شکیل نے ذہن میں آنے والی فوری ترکیب پر عمل کیا۔

"لیکن ہمارے مکان کا تو ٹیکس تشخص ہو چکا ہے" ـــــ بوڑھے نے بڑی حیرت سے جواب دیا۔

"اس کے خلاف شکایت پہنچی ہے کہ وہ تشخیص غلط ہے ـــــ اب دوبارہ تشخیص کرنے کے لیے میں آیا ہوں" ـــــ کیپٹن شکیل نے بڑے وقار سے جواب دیتے ہوئے کہا۔

بوڑھا شخص کیپٹن شکیل کی پُروقار اور وجیہہ شخصیت سے شائد مرعوب ہو گیا تھا۔

چنانچہ وہ ایک طرف ہٹ گیا۔

"تشریف لے آیئے"۔۔۔ اس نے کیپٹن شکیل سے کہا۔

"آپ پردہ کرا لیجئے"۔۔۔ کیپٹن شکیل نے قدرے جھکتے ہوئے کہا۔

"اس وقت میں گھر میں اکیلا ہوں۔۔۔ باقی لوگ شادی پر گئے ہوئے ہیں"۔ بوڑھے نے دانت نکالتے ہوئے کہا۔

"اوہ تب ٹھیک ہے"۔۔۔ کیپٹن شکیل نے کہا اور اندر داخل ہو گیا۔ اُسے مسرت ہوئی کہ قدرت خود بخود اس پر مہربان ہو گئی۔ ورنہ اس کا خیال تھا کہ زیادہ تعداد میں موجود لوگوں سے نپٹنے میں اسے کافی دقت پیش آئے گی لیکن اب ایک بوڑھے سے تو وہ باآسانی نپٹ سکتا تھا۔

بوڑھا اُسے لیکر اندر آگیا۔

"کتنے کمرے ہیں اس کے"۔۔۔؟ کیپٹن شکیل نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے پوچھا

"پانچ جناب"۔۔۔ بوڑھے نے جواب دیا۔

"چھت پر کوئی کمرہ ہے"۔۔۔؟ کیپٹن شکیل نے پوچھا۔

"جی نہیں"۔۔۔ بوڑھے نے جواب دیا۔

"میں کمرے اندر سے دیکھنا چاہتا ہوں کہ آیا وہ پختہ ہیں یا غیر پختہ"۔۔۔ کیپٹن شکیل نے کہا۔

"آیئے"۔۔۔ بوڑھے نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

اب کیپٹن شکیل نے دیر کرنا مناسب نہیں سمجھا اور اس نے جھپٹ کر بوڑھے کو پیچھے سے پکڑا اور پھر مضبوطی سے اس کے منہ اور ناک کو ہاتھ سے دبا دیا۔ بوڑھے کے چہرے پر خوف اور حیرت کے ملے جُلے تاثرات نمایاں ہو گئے۔ اس نے اِدھر اُدھر ہاتھ پیر مارے۔ لیکن کیپٹن شکیل کی مضبوط گرفت سے وہ آزاد نہ ہو سکا

اور چند ہی لمحے بعد وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔ کیپٹن شکیل نے اُسے اٹھا کر ایک برآمدے میں ڈالا اور پھر پیچھے مڑ کر دروازہ اندر سے بند کر دیا۔ اب اس نے اِدھر اُدھر رسی کی تلاش کی۔ اتفاق سے اُسے کافی لمبی رسی مل گئی۔ اس نے بوڑھے کے ہاتھ پیر اس رسی سے اچھی طرح باندھ دیئے اور پھر وہاں سے کپڑا اٹھا کر اس نے بوڑھے کے منہ میں ٹھونس دیا۔ اب اُسے اطمینان ہو گیا کہ اگر بوڑھا جلد ہی ہوش میں آ بھی گیا تو شور نہیں مچا سکے گا اور اسے کافی وقت مل جائے گا۔ اس کام سے فارغ ہو کر وہ سیدھا سیڑھیوں کی طرف بڑھا اور چند لمحے بعد وہ چھت پر موجود تھا۔

چھت بالکل سپاٹ تھی اور اس کا بایاں کنارہ اس کے مطلوبہ مکان کی چھت سے ملا ہوا تھا۔ وہ دیوار کی اوٹ لیتا ہوا ساتھ والے مکان کی چھت پر پہنچ گیا۔ اور رینگتا ہوا آگے بڑھا۔ جلد ہی اُسے مشرقی کنارے پر سیڑھیاں نیچے جاتی ہوئی نظر آگئیں وہ تیزی سے سیڑھیوں کی طرف بڑھا۔ اس نے سر اٹھا کر ایک نظر نیچے جاتی ہوئی سیڑھیوں کی طرف ڈالی اور پھر سیڑھیوں کو خالی پا کر وہ احتیاط سے نیچے اترنے لگا۔

تقریباً بیس سیڑھیاں تھیں۔ اور آگے سیڑھیوں کا دروازہ بند تھا۔ کیپٹن شکیل نے جیب سے ریوالور نکال کر ہاتھ میں لے لیا۔ اور پھر دروازے پر ہلکا سا دبا دیا دروازہ کھل گیا۔ ایک لمحے کے لیے وہ رکا رہا تاکہ دروازہ کھلنے کا اگر کوئی ردعمل ہو تو وہ ظاہر ہو جائے لیکن کچھ نہ ہوا تو اس نے سر باہر نکال کر اِدھر اُدھر دیکھا یہ مکان کا بڑا سا برآمدہ تھا۔ جو اس وقت خالی تھا۔ وہ پھرتی سے باہر آگیا۔

برآمدے میں ایک ہی دروازہ تھا جو کھلا ہوا تھا۔ وہ اس دروازے کی طرف بڑھا اور چند لمحے بعد وہ ایک بہت بڑے ہال میں پہنچ گیا۔ ہال میں کسی قسم کا فرنیچر نہیں تھا اور ہال بالکل خالی تھا۔ اُسے خدشہ ہوا کہ مجرم کہیں یہ مکان خالی تو نہیں کر گئے۔ ہال کے کونے میں ایک چھوٹا سا دروازہ تھا۔ اب وہ اس کی طرف بڑھا اور پھر وہ دروازہ

کھول کر جیسے ہی اندر داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ سے ریوالور نکل گیا۔ ساتھ ہی آواز آئی۔

"ہینڈز اپ"

اب کمرے کے چاروں طرف اُسے رائفلوں کی نالیں نکلی ہوئی نظر آنے لگیں۔ ساتھ ہی اس کی کمر سے ریوالور کی نالی لگ گئی۔

کیپٹن شکیل نے خاموشی سے ہاتھ اٹھا دیئے۔ اس کی پشت پر موجود آدمی نے اس کی جیبوں کی تلاشی لی اور پھر اُسے دھکا دے کر آگے دھکیل دیا۔ وہ تیزی سے مڑا۔ اب اس کے سامنے ایک قوی ہیکل فرد موجود تھا جو سر سے گنجا تھا۔ اس نے سیاہ چست لباس پہنا ہوا تھا۔

کیپٹن شکیل سمجھ گیا کہ یہ گنجا وہی آدمی ہے جسے اس نے اغوا کر کے دانش منزل لے جانا ہے۔

"کون ہو تم ——؟" گنجے آدمی نے کرخت لہجے میں پوچھا۔

کیپٹن شکیل خاموش رہا۔

"جلدی بتاؤ —— ورنہ گولی مار دوں گا" —— گنجے نے آواز میں مزید کرختگی پیدا کرتے ہوئے پوچھا۔

اسی اثنا میں کیپٹن شکیل ایک فیصلہ کر چکا تھا۔ اس نے دیکھا کہ تمام رائفلوں کا رخ کمرے کے سنٹر میں ہے اور کسی بھی رائفل کا رخ اس طرف نہیں تھا جدھر وہ گنجا آدمی کھڑا تھا۔ چنانچہ اس نے گنجے پر حملہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

فیصلہ کرتے ہی کیپٹن شکیل اچانک اچھل کر گنجے پر جا پڑا۔ گنجا شاید اس سے اس حملے کا متوقع نہیں تھا اس لیے وہ گولی نہ چلا سکا اور دونوں ایک دوسرے سے ٹکرا کر دروازے کے قریب گرے۔ اور گنجے کے ہاتھ سے ریوالور نکل گیا تھا۔

نیچے گرتے ہی دونوں اس طرح اچھل کر کھڑے ہوتے جیسے ان کے جسموں میں سپرنگ

لگے ہوئے ہوں۔

کیپٹن شکیل نے اپنی طرف سے اٹھنے میں پھرتی دکھائی تھی لیکن گنجا بھی اتنا ہی پھرتیلا ثابت ہوا۔ دونوں بیک وقت اٹھے تھے۔ کیپٹن شکیل اٹھتے ہی نیچے جھک گیا۔ گنجا اس پر چھلانگ لگا چکا تھا اور عین اس کے سر پر آیا۔ کیپٹن شکیل نے اُسے پھرتی سے اچھال دیا اور وہ عین کمرے کے درمیان جا گرا۔ کیپٹن شکیل پھرتی سے ادھر لپکا جدھر ریوالور پڑا ہوا تھا۔ اسی لمحے وہ جگہ پھٹی جہاں گنجا گرا تھا اور دوسرے لمحے گنجا غائب ہو گیا کیپٹن شکیل جیسے ہی ریوالور اٹھا کر مڑا۔ وہ گنجے کو وہاں نہ پا کر حیران رہ گیا۔ کمرہ خالی تھا اور اس کے ساتھ ہی دیواروں میں سے نکلی ہوئی رائفلوں کی نالیں بھی غائب ہو گئیں تھیں۔

کیپٹن شکیل حیران و پریشان کھڑا رہ گیا۔ ایک خیال آتے ہی اس نے مڑ کر دیکھا اور پھر توقع کے مطابق وہ دروازہ بھی غائب پایا جس سے وہ اندر داخل ہوا تھا۔ اب وہ اس چھوٹے سے کمرے میں قید ہو چکا تھا۔ اُسے یہ تو یقین تھا کہ اس کمرے میں خفیہ بٹن ضرور لگے ہوں گے۔ ورنہ وہ گنجا کہاں سے آیا تھا۔ اور کہاں غائب ہو گیا تھا چنانچہ اس نے بغور اِدھر اُدھر ان خفیہ بٹنوں کی تلاش شروع کر دی لیکن کمرے کی تمام دیواریں بالکل سپاٹ تھیں۔ جہاں سے رائفلوں کی نالیں نکلی ہوئی تھیں وہ سوراخ بھی نظر نہیں آ رہے تھے۔

کیپٹن شکیل عجیب الجھن میں پھنس گیا۔ اس نے آگے بڑھ کر اس جگہ کو بغور دیکھا جہاں وہ گنجا گرا تھا لیکن فرش بالکل سپاٹ تھا معمولی سی لکیر بھی اُسے نظر نہ آئی اس نے اس جگہ کو پیر سے دبا کر دیکھا لیکن کچھ بھی نہ ہوا۔

ابھی وہ پریشانی سے اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا کہ ایک گڑگڑاہٹ کی آواز آئی اور چاروں دیواروں کے آگے فولادی چادریں نیچے آ گریں۔ اب وہ چاروں طرف سے

فولادی دیواروں کے درمیان مقید ہو گیا تھا۔ وہ سمجھ نہ سکا کہ مجرموں کا ان فولادی چادریں گرا دینے سے کیا مقصد ہو سکتا ہے۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر ان دیواروں کو دیکھا تو یہ چادریں ٹھوس فولاد کی تھیں۔

دوسرے لمحے وہ بائیں کونے میں پیدا ہونے والے ایک دروازے کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اس نے ریوالور کی نالی اس دروازے کی طرف کر دی۔ لیکن کچھ بھی نہ ہوا۔ اور کوئی شخص بھی اس دروازے سے اندر داخل نہ ہوا۔ کیپٹن شکیل ایک لمحے تک سوچتا رہا پھر وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا اس دروازے کی طرف بڑھا۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اس نے دروازے کی دہلیز پر قدم رکھا اور اسی لمحے ایک اور تیز گڑگڑاہٹ پیدا ہوئی اور وہ یہ دیکھ کر مزید پریشان ہو گیا کہ اب فرش اور چھت پر بھی فولادی چادریں چڑھ چکی تھیں۔

دوسرے لمحے دروازہ زور سے بند ہوا اور کیپٹن شکیل دروازے کا دھکا کھا کر دوبارہ کمرے کے سنٹر میں آ گرا۔ اب وہ ایک مکمل فولادی کمرے میں بند ہو چکا تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ دروازہ پیدا کر کے مجرموں نے ایک نفسیاتی چال چلی تھی۔ وہ دراصل اسے دہلیز پر چڑھانا چاہتے تھے تاکہ فرش پر بھی فولادی چادر بچھا دی جائے۔

اس فولادی کمرے میں نہ کوئی سوراخ تھا اور نہ ہی کوئی روزن۔ صرف چاروں کونوں میں سے لائٹ اندر آ رہی تھی۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے لائٹ فولادی چادر سے نکل رہی ہو۔ اس نے ایک لمحے کے لیے کچھ سوچا اور پھر اس لائٹ پر فائر کر دیا لیکن گولی فولادی چادر سے ٹکرا کر تیزی سے اس کی طرف آئی۔ وہ تو اس کی پھرتی تھی جو وہ ایک طرف ہٹ گیا۔ ورنہ یقیناً گولی اس کے جسم میں سوراخ کر جاتی۔

چند لمحے بعد کیپٹن شکیل کو اپنے پیروں کے نیچے فولادی فرش گرم ہوتا ہوا محسوس ہوا اور اب وہ سمجھ گیا کہ مجرم کیا چاہتے ہیں۔ یہ ایک ایسی اذیت ناک موت تھی جس کا

تصور بھی کیپٹن شکیل کو لرزا دیتا تھا۔ مجرم اس فولادی کمرے کو بجلی سے گرم کر رہے تھے۔

جلد ہی کیپٹن شکیل کے پیر جلنے لگے۔ اور وہ تیزی سے اِدھر اُدھر پیر مارنے لگا لیکن کہاں جاتا۔ چاروں طرف سپاٹ فولادی چادریں تھیں جو لمحہ بہ لمحہ گرم تر ہوتی چلی جا رہی تھیں۔ اور اب کافی سے زیادہ کمرہ گرم ہو چکا تھا۔ پھر حرارت اتنی بڑھی کہ کیپٹن شکیل کے لیے ایک جگہ کھڑا رہنا محال ہو گیا۔ وہ سارے کمرے میں ناچنے لگا۔ اس کے جسم سے بے تحاشہ پسینہ بہنے لگا۔

اس نے ریوالور بھی پھینک دیا تھا۔

اب اس کی یہ حالت تھی کہ وہ سارے کمرے میں بُری طرح ناچتا پھر رہا تھا۔ اس کے جوتے بھی جل گئے تھے۔ اور اب اس کے پیروں کی باری تھی۔ کمرہ بُری طرح گرم ہو چکا تھا۔ اُسے اپنے سامنے موت نظر آئی۔ اور کمرہ گرم ہوتا چلا گیا۔

کیپٹن شکیل عجیب مصیبت میں پھنس چکا تھا جس سے نکلنے کی اُسے کوئی راہ نظر نہیں آ رہی تھی۔ گرمی اتنی زیادہ بڑھ گئی کہ وہ کپڑے اتار پھینکنے پر مجبور ہو گیا اور اب اس کے جسم پر صرف انڈرویئر رہ گیا تھا۔ اس کے پیر کے تلوے بھی جل گئے تو وہ لڑکھڑا کر نیچے گرا۔ لیکن پھر ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ کیونکہ اس کا جسم جس جگہ سے بھی فرش کے ساتھ لگا وہاں آبلے پڑ گئے۔ گرمی کی شدت سے اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھانے لگا۔ وہ بیہوش ہو رہا تھا اور اسے اچھی طرح علم تھا کہ اگر وہ بیہوش ہو کر نیچے گر پڑا تو وہ یقیناً جل کر راکھ ہو جائیگا۔ وہ کٹھ پتلی کی مانند بُری طرح اچھل رہا تھا۔ اس نے بیہوشی سے بچنے کے لیے اپنی پوری قوت ارادی صرف کر ڈالی مگر بے سود۔ اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھاتا چلا گیا اور پھر وہ ہاتھ پیر مارتا ہوا دھم سے گرم فرش پر گر گیا۔

"عمران! — کچھ کرو — سلیمان مر رہا ہے" —— فیاض نے بے ساختگی سے کہا۔
اور عمران جو بُت کی مانند بیٹھا تھا چونک اٹھا۔ اس کا ذہن جو سلیمان کی موت کے تصوّر سے وقتی طور پر مفلوج ہو گیا تھا۔ جاگ اٹھا۔

عمران اٹھ کر تیر کی طرح اندر کمرے کی طرف بھاگا۔ کمرے میں پڑی نقاب پوشوں کی لاشوں سے وہ الجھتے الجھتے بچا۔ اب وہ اپنے مخصوص کمرے میں تھا۔ اس نے ایک الماری کھولی اور اس میں سے ایمرجنسی ایڈ بیگ نکال کر ہوا کی طرح اڑتا ہوا واپس سلیمان کے قریب آیا۔

"سلیمان مر تو نہیں گیا" —— ؟ عمران نے سخت لہجے سے فیاض سے پوچھا جو سلیمان کی نبض تھامے بیٹھا تھا۔

"نہیں" —— فیاض نے مختصر سا جواب دیا۔

"تم یہ بیگ پکڑو — میں اسے اٹھا کر لے جاتا ہوں" —— عمران نے بیگ فیاض کو پکڑایا اور خون میں لت پت سلیمان کو اٹھا کر تیزی سے اندر لے گیا اور اُسے ایک مسہری پر لٹا دیا۔ اور پھر اس نے فیاض سے بیگ لیکر کھولا اور اس میں سے ایک گلوکوز کی بوتل نکالی اور پھر اُسے ایک ہک سے لٹکا کر اس نے سلیمان کے بازو کی ایک رگ میں سوئی اتار دی۔ اور پھر جب اس نے گلوکوز کنٹرولر کھولا تو گلوکوز

قطرہ قطرہ گرتے ہوئے سلیمان کے جسم میں جانے لگا۔

عمران نے بیگ سے ایک سرنج نکال کر ایک انجکشن تیار کیا اور پھر سلیمان کے دوسرے بازو میں لگا دیا۔ انجکشن لگانے کے بعد اس نے ایک بار پھر سلیمان کی نبض دیکھی تو اُسے نبض میں معمولی سی تیزی کا احساس ہوا۔ اُسے قدرے اطمینان ہوا کہ گلوکوز شاید کام کر جائے۔

فیاض ایک طرف بیٹھا خاموشی سے عمران اور سلیمان کی طرف دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ عمران واقعی ہر فن مولا ہے اس نے جس پھرتی سے سلیمان کو گلوکوز لگایا اور پھر انجکشن لگانے میں جو مہارت دکھائی۔ اُسے کوئی بھی شخص دیکھ کر یقین کر لیتا کہ عمران ایک ماہر ڈاکٹر ہے۔

"فیاض! — تم ذرا سلیمان کا خیال رکھنا — میں ابھی آتا ہوں" —— عمران نے فیاض کی طرف دیکھ کر کہا۔

فیاض نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

دوسرے لمحے عمران مختلف کمروں سے ہوتا ہوا مخصوص ٹیلیفون والے کمرے میں آ پہنچا اور پھر ٹیلیفون پر بلیک زیرو کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔ چند ہی لمحوں بعد رابطہ قائم ہو گیا۔

"بلیک زیرو! — میں عمران بول رہا ہوں" —— عمران نے رابطہ قائم ہوتے ہی کہا۔

"فرمائیے" —— بلیک زیرو کی مودبانہ آواز آئی۔

"بلیک زیرو! — فوراً ڈاکٹر درانی کو میرے فلیٹ میں بھیجو — چند نقاب پوشوں نے ہم پر حملہ کیا تھا اور سلیمان کو گولی لگنے سے اس وقت موت کے دہانے پر ہے — تم جتنی جلدی ہو سکے ڈاکٹر درانی کو یہاں بھیج دو۔ وہ اپنا مخصوص بیگ بھی ساتھ لیتا۔

آئے ـــــ اور ہاں! یہاں فیاض بھی موجود ہے اس لیے اُسے سمجھا دینا کہ کوئی غلط بات اس کے منہ سے نہ نکل جائے" ـــــ عمران نے بلیک زیرو کو حکم دیتے ہوئے کہا۔

"میں ابھی بھیجتا ہوں ـــــ سیکشن" ـــــ بلیک زیرو کا فقرہ نامکمل رہا۔

"باقی باتیں بعد میں ـــــ تم جلدی سے ڈاکٹر درانی کو بھیجو" ـــــ عمران نے بلیک زیرو کا فقرہ کاٹ کر کہا اور پھر رسیور رکھ دیا۔

عمران نے دروازہ کھولا اور پھر تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا واپس سلیمان کے کمرے میں آپہنچا۔ گلوکوز کے قطرے کنٹرولر کے ساتھ لگی ہوئی نلکی میں متواتر گر رہے تھے جسے دیکھ کر عمران کو اطمینان ہو گیا کہ سلیمان ابھی زندہ ہے کیونکہ نبض کی حرکت سے ہی قطرہ گرتا ہے۔ اگر نبض رک جائے یعنی موت واقع ہو جائے تو گلوکوز کے قطرے گرنے بند ہو جاتے ہیں۔

فیاض خاموشی سے سلیمان کے پاس بیٹھا اُسے دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی طاری تھی۔ شاید یہ حالات کی بنا پر تھا۔ یہ وہی فیاض تھا جو تھوڑی دیر پہلے سلیمان کی اوٹ پٹانگ باتوں سے جھنجھلا کر اُسے تھپڑ مارنے لگا تھا۔ اب پریشانی کے عالم میں بیٹھا سلیمان کو ہمدردی سے دیکھ رہا تھا۔

"کہاں گئے تھے" ـــــ ؟ عمران جیسے ہی کمرے میں داخل ہوا۔ فیاض نے اس سے سوال کیا۔

"ڈاکٹر کو ٹیلیفون کرنے گیا تھا" ـــــ عمران نے جواب دیا۔ نجانے اس کے لہجے میں کتنی شدید سنجیدگی ابھری ہوئی تھی کہ فیاض کو دوسرا سوال کرنے کی جرأت ہی نہ ہوئی۔

عمران نے سلیمان کی نبض دیکھی اور پھر اُسے روبہ ترقی دیکھ کر اُسے مزید اطمینان ہو گیا۔

لیکن ابھی تک سلیمان خطرے سے باہر نہیں تھا۔ اس کی نبض کسی بھی وقت ڈوب سکتی تھی۔ عمران بڑی بے چینی سے ڈاکٹر کا انتظار کر رہا تھا۔ اُسے ایک ایک لمحہ صدیوں پہ بھاری معلوم ہو رہا تھا اور پھر ڈاکٹر درانی ایک بڑا سا بیگ اٹھائے اندر داخل ہوا۔ اس نے ایک نظر سلیمان کو دیکھا اور پھر بغیر کسی سے کچھ کہے اس نے اس کی نبض اور سینے کی حرکت چیک کی۔

"مریض شدید خطرے میں ہے ـــــ اسے فوری طور پر خون کی ضرورت ہے کیونکہ خون کی کمی خطرناک حد تک پہنچ چکی ہے جو مریض کو کسی وقت بھی موت کے منہ میں دھکیل سکتی ہے ـــــ ویسے آپ نے بروقت گلوکوز لگا دیا ہے ورنہ مریض کا اب تک بچنا شاید ناممکن ہوتا" ـــــ ڈاکٹر نے سلیمان کو چیک کرتے ہوئے کہا۔

"پھر اس کا کیا انتظام ہو سکتا ہے ـــــ کیونکہ سلیمان اس حالت میں نہیں ہے کہ اُسے ہسپتال لے جایا جائے" ـــــ عمران نے بے چینی سے کہا۔

"پہلے میں اس کے خون کا گروپ ٹیسٹ کر لوں" ـــــ ڈاکٹر نے کہا اور پھر اس نے سلیمان کی انگلی میں سوئی چبھو کر خون کا ایک قطرہ بڑی مشکل سے نکالا اور ڈاکٹر نے اسے شیشے کی پلیٹ پر ڈالا اور پھر بیگ سے مائیکروسکوپ نکال کر اُسے بغور دیکھنے لگا۔ اس نے اس میں چند دیگر محلول بھی ملا کر چیک کیا اور پھر وہ فیصلہ پر پہنچ گیا۔

"اس کے خون کا گروپ او (O) ون ہے" ـــــ ڈاکٹر نے کہا۔

"میرے خون کا گروپ بی ٹو ہے" ـــــ عمران نے جواب دیا۔

"میرا خون ٹیسٹ کریں شاید او ون نکل آئے" ـــــ فیاض نے پیشکش کی۔ اور عمران تحسین آمیز نظروں سے فیاض کو دیکھنے لگا۔

ڈاکٹر نے فیاض کا خون ٹیسٹ کیا۔ اب اسے اتفاق سمجھیے یا سلیمان کی خوش قسمتی کہ فیاض کے خون کا گروپ بھی او (O) ون ہی تھا۔

ڈاکٹر نے جب فیاض کے خون کا گروپ بتلایا تو فیاض کا چہرہ خوشی سے سرخ ہوگیا۔ اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کی دل کی گہرائیوں سے خوشی اور مسرت کے طوفان اتر رہے ہیں۔ اس کا سر فخر سے بلند ہوگیا کہ اس کا خون سلیمان کی زندگی بچا لے گا۔

فیاض کے چہرے پر مسرت دیکھ کر عمران دل ہی دل میں فیاض کے اعلیٰ کردار اور انسانیت کا قائل ہوگیا۔

"ڈاکٹر صاحب! ۔۔۔ جلدی سے میرا خون نکال کر سلیمان کو دیجئے ۔۔۔ جلدی کیجئے کہیں دیر نہ ہوجائے" ۔۔۔ فیاض نے تیز لہجے میں کہا۔

اور ڈاکٹر نے اُسے صوفے پر لیٹ جانے کے لیے کہا اور پھر چند لمحے بعد فیاض کے جیتے جاگتے سرخ خون سے بوتل بھر گئی۔ فیاض کا چہرہ نقاہت سے زرد پڑ گیا تھا۔ لیکن اس کی آنکھوں سے نکلنے والی مسرت کی چمک اس کے چہرے کو گلنار کر رہی تھی

ڈاکٹر نے بوتل کے ساتھ نلکی فٹ کی اور پھر اُسے دیوار کے ہک میں لگا کر سلیمان کے دوسرے بازو میں نلکی کے سرے پر لگی ہوئی سوئی انجکٹ کر دی۔ اب فیاض کا خون قطرہ قطرہ سلیمان کے تقریباً مردہ جسم میں جانے لگا۔ ڈاکٹر سلیمان کے سینے پر ہاتھ رکھے ہوئے اس پر جھکا ہوا تھا۔

فیاض جو اب صوفے سے اٹھ بیٹھا تھا۔ اُمید افزا نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ عمران کی نظریں ڈاکٹر پر لگی ہوئی تھی۔ اس کے چہرے پر امید و بیم کی پرچھائیاں لرز رہی تھی

خون کی آدھی بوتل جب ختم ہوگئی تو ڈاکٹر نے اطمینان کی طویل سانس لیتے ہوئے عمران کی طرف دیکھا اور عمران کے ساتھ ساتھ فیاض کا چہرہ بھی کھل اٹھا۔

"مبارک ہو عمران صاحب! ۔۔۔ مریض اب خطرے سے باہر ہوگیا ہے" ۔۔۔ ڈاکٹر کی آواز میں مسرت کی لرزش تھی۔

"فیاض صاحب! ۔۔۔ میں آپ کی عظمت کو سلام کرتا ہوں ۔۔۔ آپ کے ایثار نے ایک

انسان کی جان بچالی ہے" ۔۔۔ ڈاکٹر اب فیاض سے مخاطب تھا۔

عمران بے اختیار ہو کر آگے بڑھا اور پھر فیاض سے چمٹ گیا۔

"فیاض! ۔۔۔ میں تمہارا یہ احسان زندگی بھر یاد رکھوں گا" ۔۔۔ عمران کے دل کی گہرائیوں سے آواز نکلی۔

"اس میں احسان کی کون سی بات ہے ۔۔۔؟ مجھے خوشی ہے کہ میرے خون سے سلیمان کی زندگی بچ گئی ہے ۔۔۔ یہ میرا فرض تھا جو میں نے پورا کر دیا" ۔۔۔ فیاض کا لہجہ گلوگیر ہوگیا۔

عمران اور فیاض دونوں علیحدہ ہوگئے۔

"حقیقت ہے فیاض! ۔۔۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بعد تمہاری وجہ سے سلیمان کی زندگی بچ گئی ہے" ۔۔۔ عمران نے بے ساختہ کہا۔

"اب مجھے شرمندہ نہ کرو" ۔۔۔ فیاض نے جواب دیا۔

اسی اثناء میں ڈاکٹر نے گلوکوز کی پہلی بوتل خالی ہونے پر ہٹا کر دوسری بوتل لگا دی۔ اب عمران اور فیاض ایک طرف اطمینان سے بیٹھ گئے۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد ڈاکٹر درانی نے گلوکوز اور خون کی خالی بوتلیں ایک طرف ہٹا دیں۔

"اب جلد ہی سلیمان کو ہوش آجائے گا لیکن اس کا فوری آپریشن کرنا پڑے گا۔ تاکہ اس کے جسم کے اندر موجود گولی کو باہر نکالا جا سکے ۔۔۔ اب سلیمان اس قابل ہے کہ اُسے ہسپتال لے جایا جاسکے۔ چنانچہ اگر آپ اجازت دیں تو میں اسے ہسپتال لے جاؤں" ۔۔۔ ڈاکٹر نے اجازت طلب نگاہوں سے عمران کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ضرور ضرور! ۔۔۔ بھلا اس میں پوچھنے کی کیا بات ہے ۔۔۔ چلیئے میں سلیمان کو اٹھا کر نیچے آپ کی کار میں لٹا آتا ہوں" ۔۔۔ عمران نے کہا اور پھر اس نے بیہوش

سلیمان کو اٹھایا اور سیڑھیاں اتر کر نیچے موجود ڈاکٹر کی کار کی پچھلی سیٹ پر لٹا دیا۔ اور پھر ڈاکٹر کی کار سٹارٹ ہو کر تیزی سے آگے بڑھ گئی۔ عمران اور فیاض سیڑھیاں چڑھ کر دوبارہ اوپر آ گئے۔

"یقین کرو عمران! — آج زندگی میں پہلی بار احساس ہوا ہے کہ سچی مسرت کسے کہتے ہیں" — فیاض نے کہا اور عمران نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"اب ذرا ان نقاب پوشوں کا دیدار تو کر لیں کہ یہ حضرت ہیں کون" — عمران نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"اوہ واقعی! — میں تو انہیں بالکل بھول ہی گیا تھا" — فیاض نے چونکتے ہوئے کہا۔ اور پھر وہ دونوں اس ڈرائنگ میں آئے جہاں نقاب پوشوں کے مردہ جسم پڑے ہوئے تھے۔

عمران نے باری باری تینوں کے نقاب اتارے لیکن ان کے چہرے نامانوس ہی تھے گو یہ نقاب پوش مقامی ہی تھے لیکن اس سے پہلے ان کے چہرے کم از کم عمران کی نظر سے نہیں گزرے تھے۔

"اب کیا کرنا ہے عمران" —؟ فیاض نے پوچھا۔

"کچھ نہیں — پلاؤ کھائیں گے۔ احباب فاتحہ ہو گا" — سلیمان کی طرف سے اطمینان ہونے کے بعد عمران کی شوخی بھی لوٹ آئی۔

"یعنی کیا مطلب" —؟ فیاض سمجھ نہ سکا۔

"یعنی ٹائیں ٹائیں فش — کرنا کیا ہے — بلواؤ اپنے محکمے کو اور ان کی لاشیں اٹھوا کر مردہ خانے ڈلوا دو" — عمران نے تفصیل سے سمجھایا۔

"بس" — فیاض نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔

تو اور کیا ان کا اچار ڈال کر اپنی بیگم کو بطور تحفہ پیش کرو گے" — عمران نے

با ہے" — طاہر نے بتایا۔

"گڈ نیوز" — عمران نے مسرت سے چہکتے ہوئے کہا۔

"عمران صاحب! — اب تو مجھے تفصیل بتلایئے کہ یہ سب چکر کیا تھا" — بظاہر آواز میں تجسس تھا۔

"میں تھوڑی دیر میں وہیں آ رہا ہوں۔ وہیں تفصیل بتلاؤں گا — ذرا فیاض صاحب ے محکمے کے آدمی آ کر ان نقاب پوشوں کو اٹھا لے جائیں۔ میرا خیال ہے وہ آنے ہی الے ہوں" — عمران نے کہا اور پھر ریسیور رکھ دیا۔

اب عمران کمرے میں ٹہلنے لگا۔ اس کا دماغ کسی گہری سوچ میں غرق تھا۔

دن کے دس بجے تھے۔ دارالحکومت کے تمام افراد اپنے اپنے روزمرہ کے کاموں میں مصروف تھے۔ شہر میں مکمل سکون تھا۔ بازار اور گلیاں عوام کے ہجوم سے بھری تھیں۔

اچانک ایک زوردار دھماکہ ہوا۔ اتنا زبردست دھماکہ کہ راہ جاتے لوگ گر پڑے مکانوں اور دکانوں کے دروازے اور کھڑکیوں پر لگے ہوئے شیشے ٹوٹ گئے۔ پھر شہر میں افراتفری مچ گئی۔ بازاروں میں بھگدڑ مچ گئی۔ بہت بچے، عورتیں اور بوڑھے مرد ایک دوسرے کے پاؤں تلے آ کر کچلے گئے۔

دھماکے کے تقریباً پانچ منٹ بعد ایک گونج دار آواز سے تمام دارالحکومت گونج

اٹھا۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے یہ آواز شہر کی ہر دیوار، ہر سڑک، ہر گلی، ہر کھمبے اور ہر درخت سے نکل رہی ہو۔

اور پھر ایک تیز سیٹی کی آواز سے لوگوں کے کانوں کے پردے پھٹنے لگے۔ ایک لمحے تک یہ سیٹی بجتی رہی۔ پھر ایک انسانی آواز آئی۔ ایک کرخت انسانی آواز۔ جسے ہر شخص نے سُنا۔

"لوگو!۔۔۔ آج سے تین دن بعد رات کے بارہ بجے دارالحکومت کی اینٹ سے اینٹ بجا دی جائے گی۔ اسے کھنڈرات میں تبدیل کر دیا جائے گا۔ اس شہر میں رہنے والا ہر مرد ۔۔۔ ہر عورت ۔۔۔ ہر بچہ ۔۔۔ حتیٰ کہ اس شہر میں اڑنے والی ہر چڑیا کو بھی راکھ میں تبدیل کر دیا جائے گا۔ یاد رکھو کہ تین دن بعد رات کے بارہ بجے اس شہر کو تباہ کر دیا جائے گا اور بارہ بجکر دس منٹ کے بعد اس شہر کو آثار قدیمہ میں شمار کیا جائے گا ۔۔۔ یہ سب کچھ رک سکتا ہے۔۔۔ آپ اس ہمہ گیر تباہی سے بچ سکتے ہیں۔۔۔ ایک شرط پر کہ تمام لوگ پریذیڈنٹ ہاؤس کا گھیرا ڈال لیں۔ موجودہ حکومت کا تختہ الٹ دیں اور موجودہ صدر کو بازار میں لے جا کر سنگسار کر دیں۔ بس مجھے صرف اتنا کہنا ہے"۔۔۔ اور پھر وہ آواز بند ہو کر تیز سیٹی کی آواز دوبارہ گونجنے لگی۔ ایک منٹ بعد دوبارہ اسی طرح زوردار دھماکہ ہوا۔ اور پھر خاموشی چھا گئی۔

لوگ خوف سے پاگل ہو گئے۔ دفتروں، مکانوں اور دکانوں سے لوگ نکل نکل کر سڑکوں، بازاروں اور چوراہوں پر اکٹھے ہونے لگے۔ ان کے چہرے خوف اور دہشت سے پیلے پڑ گئے تھے۔ وہ سب پریذیڈنٹ ہاؤس کی طرف بڑھنے لگے۔

صدر مملکت نے فوری طور پر ہنگامی حالات کا اعلان کر دیا۔ شہر کو فوج کے حوالے کر دیا گیا۔ لوگوں کا خوف زدہ لیکن بپھرا ہوا سیلاب رکنے میں نہیں آ رہا تھا کہ صدر مملکت نے فوری خطرے کے تحت یہی اقدام کیا کہ وہ پانچ منٹ بعد ریڈیو پر

عوام سے خطاب کریں گے۔ صدر مملکت نے یہی ایک طریقہ سوچا کہ ایک تقریر سے لوگوں کے جذبات اور جوش و خروش کو وقتی طور پر سرد کیا جا سکے۔

اور پھر لوگ صدر کی تقریر سننے کے لیے ریڈیو اور ٹرانسسٹروں کے گرد جمع ہونے لگے۔ پھر صدر مملکت کی تقریر کا وقت ہو گیا۔ اور پھر قومی ترانہ بجنے کے بعد صدر مملکت کی آواز آنے لگی۔

"میرے ہم وطنو!۔۔۔ میں جانتا ہوں کہ آپ سب لوگ ابھی تھوڑی دیر پہلے آنے والی آواز سے خوفزدہ ہو گئے ہیں۔ آپ نے ایک لمحے کے لیے بھی اس بات پر غور نہیں کیا کہ شہر کو کھنڈرات میں تبدیل کرنے کا دعویٰ کرنے والا شخص یا اشخاص کبھی بھی آپ کے ہمدرد اور خیر خواہ نہیں ہو سکتے۔ اگر وہ آپ کے ہمدرد اور خیر خواہ ہیں تو وہ کسی تہہ خانے میں چھپ کر اعلان کرنے کی بجائے عوام کے سامنے آئیں۔ اور آپ لوگوں کو قائل کریں کہ موجودہ حکومت میں کیا خرابیاں ہیں؟ اس کے بعد قانونی جدوجہد کے بعد اگر وہ آپ لوگوں کو اپنے ساتھ ملا لیں تو مجھے حکومت چھوڑنے میں کوئی اعتراض نہ ہو گا۔ لیکن اس طرح عوام کو دھمکانے اور انہیں خوفزدہ کر کے حکومت سے لڑانا ہمدردوں اور خیر خواہوں کا کام نہیں بلکہ شر پسندوں، تخریب کاروں اور وطن دشمنوں کا کام ہے۔ جو چاہتے ہیں کہ ملک میں قتل عام ہو۔ ہم لوگ ایک دوسرے سے لڑ کر ختم ہو جائیں اور دشمن ہماری لڑائی سے فائدہ اٹھا لیں۔ میں آپ لوگوں سے اپیل کرتا ہوں کہ آپ لوگ ضبط و تحمل۔ شعور اور دانش مندی کا ثبوت دیتے ہوئے پُرامن رہیں اور متحدہ ہو کر حکومت کے ساتھ تعاون کریں تاکہ وہ ایسے مجرموں کو گرفتار کر کے انہیں اور ان کے تخریبی مقاصد کو آپ کے سامنے لے آنے میں کامیاب ہو سکے۔ اس کے ساتھ ہی میں وعدہ کرتا ہوں کہ ہم کوشش کریں گے کہ جلد از جلد مجرموں کو گرفتار کر کے عوام کے سامنے پیش کریں۔ آپ اطمینان رکھیں اس شہر کو دنیا

کی کوئی طاقت کھنڈرات میں تبدیل نہیں کرسکتی۔ یہ شیر دل انسانوں کا شہر ہے۔
اسے تباہ کرنے کا عزم رکھنے والے خود تو تباہ ہوسکتے ہیں لیکن یہ شہر نہیں۔ میں
ایک بار پھر آپ لوگوں سے اپیل کرتا ہوں کہ آپ اپنے اپنے کاموں میں اطمینانِ دل
سے مصروف ہوجائیں اور کوئی طاقت آپ کے شہر کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی ——
خدا حافظ"۔

صدر مملکت کی تقریر ختم ہوگئی اور ان کی اس مدبرانہ تقریر نے صورت حال ہی
بدل دی۔ وہ لوگ جو پہلے بے حد خوفزدہ ہوگئے تھے۔ ان کے چہرے جوش سے
سرخ ہوگئے تھے۔ صدر مملکت کا یہ جملہ کہ "یہ شیر دل انسانوں کا شہر ہے۔ اسے دنیا
کی کوئی طاقت کھنڈرات میں تبدیل نہیں کرسکتی" لوگوں کے دلوں میں اتر گیا۔

چنانچہ شہر کا نظام دوبارہ بحال ہوگیا لیکن جگہ جگہ ہونے والی چہ میگوئیاں بدستور
جاری رہیں کیونکہ انہیں کوئی نہیں روک سکتا تھا۔ فوج نے شہر کا نظام سنبھال لیا تھا
اس کے ساتھ ہی تمام ہوائی اڈے، سڑکیں اور ریلوے سٹیشنوں پر ٹریفک معطل کر
دی گئی تاکہ لوگ خوفزدہ ہوکر شہر سے بھاگنے نہ لگ جائیں کیونکہ اگر ایک بار بھی یہ
رو چل نکلی تو اسے سنبھالنا بہت مشکل ہوجائے گا۔

صدر مملکت نے تقریر کے فوراً بعد ایک ہنگامی میٹنگ طلب کی۔ آدھے گھنٹے
بعد پریذیڈنٹ ہاؤس کے ساؤنڈ پروف میٹنگ ہال میں میٹنگ شروع ہوگئی اور اس
کانفرنس روم کے باہر ملٹری کا سخت ترین پہرہ تھا۔ اس میٹنگ میں صدر مملکت،
وزیر داخلہ، سیکرٹری وزارت داخلہ، سر سلطان، سر رحمان، ملٹری کے کمانڈر انچیف
ملٹری انٹیلی جنس کے چیف اور عمران بطور ایکسٹو شامل ہوئے۔ عمران حسب روایت
نقاب میں تھا۔

صدر مملکت نے مختصر سی تقریر کی اور پھر مجرموں کی گرفتاری کے لیے کوئی لائن

آف ایکشن بنانے پر زور دیا۔

باقی تمام ممبروں نے مجرموں کی گرفتاری کے لیے اپنی اپنی تجاویز پیش کیں
لیکن عمران خاموش رہا۔ آخر صدر مملکت نے ایکسٹو سے مخاطب ہوکر کہا۔

"مسٹر ایکسٹو!—— آپ کیوں خاموش ہیں"——؟

"میں اس لیے خاموش ہوں کہ باقی ممبر اپنی تجاویز پیش کرلیں تو میں ان سے
کوئی نتیجہ نکال کر کوئی لائحہ عمل بتاؤں"—— عمران نے ایکسٹو کی مخصوص آواز
میں کہا۔

"پھر اب آپ کچھ بتائیں"—— صدر مملکت نے دوبارہ کہا۔

"پہلے آپ یہ بتائیں کہ آواز کے منبع کا کھوج لگانے والے ماہرین نے کیا رپورٹ
دی ہے"——؟ ایکسٹو نے سوال کیا۔

"انہوں نے اپنی ناکامی کا اعلان کردیا ہے"—— سر سلطان نے جواب دیا۔

"وہ کس کے تحت یہ تحقیقات کررہے تھے"——؟ ایکسٹو نے دوسرا سوال
کرتے ہوئے کہا۔

"میرے تحت"—— سر رحمان نے جواب دیا۔

"ہوں"—— ایکسٹو نے ہنکارا بھرا۔

پھر چند لمحے تک میٹنگ ہال میں خاموشی طاری رہی۔ سب کی نظریں ایکسٹو کے
نقاب پوش چہرے پر لگی ہوئی تھیں۔

"صدر مملکت!—— میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ جلد ہی مجرم گرفتار کرلیے جائیں
گے"—— ایکسٹو نے بڑے وقار اور پُراعتماد لہجے میں کہا۔

اور صدر مملکت سمیت تمام ممبر بُری طرح چونک پڑے۔ کیونکہ یہ ایک بہت
بڑا دعویٰ تھا۔

"آپ کے ذہن میں کوئی لائن آف ایکشن ہے جو آپ اس طرح دعویٰ کر رہے ہیں" ——— ؟ صدر مملکت نے سوال کیا۔

"جی ہاں! ——— لائن آف ایکشن ہے تو میں یہ دعویٰ کر رہا ہوں" ——— ایکسٹو نے جواب دیا۔

"وہ لائن آف ایکشن آپ پیش کریں تاکہ ہم سب اس پر غور کر سکیں" ——— صدر مملکت نے رعب سے کہا۔

"یہ میرے اصول کے خلاف ہے ——— آپ مجھ پر اعتماد کریں" ——— ایکسٹو نے اسی لہجے میں جواب دیا۔

"لیکن میں آپ کو حکم دیتا ہوں کہ آپ یہ لائن آف ایکشن ممبرز کے سامنے پیش کریں۔ اس نازک ترین وقت میں میں اس طرح اندھا اعتماد نہیں کر سکتا" ——— صدر مملکت کا لہجہ ترشش ہو گیا۔

"آپ مجھے اس بات پر مجبور نہ کریں تو یہ ملک کے حق میں بہتر ہو گا" ——— ایکسٹو کا لہجہ بھی ہلکی سی ترشی لیے ہوئے تھا۔

"نہیں ——— آپ کو میرا حکم ماننا پڑے گا" ——— صدر مملکت نے شاید جھکنا اپنے وقار کی توہین سمجھی۔

"تو پھر میں استعفیٰ پیش کر دیتا ہوں ——— آپ کسی اور کو اس پوسٹ پر اپائنٹ کر دیں" ——— ایکسٹو نے بڑے اطمینان سے کہا۔

اور یہ بات تمام ممبروں کے لیے خاص طور پر سر سلطان کے لیے بم کا دھماکہ ثابت ہوئی۔

"نہیں نہیں ——— اس نازک وقت میں آپ کا استعفیٰ ملک کی تباہی کا باعث بن جائے گا" ——— سر سلطان بے اختیار بول پڑے۔

"میں کب چاہتا ہوں کہ میں اس نازک وقت میں استعفیٰ دوں ——— لیکن میرے اصول ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ میرا یہ اصول ملک کے لیے فائدہ مند ہے۔ اس لیے میں کسی قیمت پر بھی اپنا اصول نہیں توڑ سکتا" ——— ایکسٹو کا لہجہ اعتماد سے بھرپور تھا۔

"کیا آپ کو شک ہے کہ اس میٹنگ سے بات باہر نکل جائے گی" ——— ؟ صدر مملکت ابھی تک اپنی بات پر بضد تھے۔

"اس دنیا میں ہر بات ممکن ہے" ——— ایکسٹو نے جواب دیا۔

"تو کیا آپ مجھ پر شک کر رہے ہیں" ——— ؟ صدر مملکت کا لہجہ بے حد ترش ہو گیا۔

"ہم اپنے آپ پر بھی شک کرتے ہیں ——— آپ تو پھر دوسری شخصیت ہیں" ——— ایکسٹو نے بھی کافی ترش لہجے میں جواب دیا۔

صدر مملکت نے اسے براہ راست اپنی توہین سمجھا۔ وہ ہتھے سے اکھڑ گئے۔

"آپ ابھی اور اسی وقت استعفیٰ دیں" ——— صدر مملکت نے غصے کے عالم میں حکم دیا۔

"جناب صدر صاحب! ——— میں درخواست کرتا ہوں کہ آپ اپنے فیصلے پر نظر ثانی کریں ——— دارالحکومت کی اس وقت پوزیشن بہت نازک ہے۔ اس وقت ہمارے اختلافات مجرموں کو فائدہ دیں گے اور یہ ہمارے حق میں بہتر نہ رہے گا" ——— سر سلطان سے رہا نہ گیا اور وہ بول پڑے۔

"سلطان صاحب! ——— آپ بار بار ان کی فیور کیوں کر رہے ہیں جن کی نظر میں ملک کا صدر بھی مشکوک ہو ——— میں انہیں ملک کا خیر خواہ نہیں سمجھ سکتا" ——— صدر مملکت نے سر سلطان کی درخواست بھی مسترد کر دی۔

ایکسٹو نے پی، اے سے کاغذ منگوایا اور اپنا استعفیٰ لکھ کر صدر مملکت کے سامنے رکھ دیا۔

"اچھا اب مجھے اجازت دیں" ـــــ استعفیٰ صدر کے سامنے رکھ کر ایکسٹو اٹھ کھڑا ہوا۔

تمام ممبرز حیرت سے یہ تمام کاروائی دیکھ رہے تھے۔

صدر مملکت نے قلم نکالا اور استعفیٰ پر منظوری کا حکم لکھنے لگے۔ اور ایکسٹو سیٹ سے اتر کر دروازے کی طرف چل پڑا۔

اچانک جاتے جاتے ایکسٹو یکدم پلٹا اور دوسرے لمحے اس نے جیب سے ریوالور نکال کر سر رحمان کی پشت سے لگا دیا۔

"ہینڈز اپ مسٹر رحمان" ـــــ ایکسٹو نے انتہائی سرد لہجے میں حکم دیا۔

سر رحمان بوکھلا کر کھڑے ہو گئے۔

اور صرف رحمان صاحب ہی نہیں بوکھلائے بلکہ تمام ممبرز بوکھلا گئے۔ صدر مملکت کے ہاتھ سے قلم چھوٹ گیا۔

"یہ کیا حرکت ہے مسٹر ایکسٹو" ـــــ؟ صدر مملکت نے انتہائی سخت لہجے میں پوچھا۔

"ابھی پتہ چل جاتا ہے" ـــــ ایکسٹو نے اطمینان سے بھرپور لہجے میں کہا اور پھر سر سلطان سے مخاطب ہو کر کہا۔

"سلطان صاحب! ـــــ آپ یہاں تشریف لائیے"۔

سر سلطان بے اختیار ایکسٹو کے پاس پہنچ گئے۔

"یہ ریوالور ان کی کمر سے لگائے رکھیں اور ذرا بھی غلط حرکت کریں تو گولی مار دیں، میں ذمہ دار ہوں گا" ـــــ ایکسٹو نے سر سلطان کو ریوالور پکڑاتے ہوئے کہا۔

سر سلطان نے خاموشی سے ریوالور پکڑ لیا۔ لیکن اس عجیب سچوایشن پر ان کے ہاتھ لرز رہے تھے۔

ایکسٹو نے سر رحمان کی تلاشی لینی شروع کر دی۔

"میں احتجاج کرتا ہوں جناب صدر ـــــ یہ میری توہین ہے" ـــــ سر رحمان کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔

"مسٹر ایکسٹو! ـــــ اگر آپ کی اس حرکت کا کوئی جواز نہ نکلا تو میں آپ کو یہیں گرفتار کرا دوں گا" ـــــ صدر مملکت غصے سے چیخ پڑے۔

ایکسٹو نے کوئی جواب نہ دیا اور وہ خاموشی سے سر رحمان کی تلاشی لیتا رہا۔ لیکن سر رحمان کے پاس سے کوئی ایسی چیز نہ نکلی جو قابلِ گرفت ہوتی۔

ایکسٹو عجیب شش و پنج میں پھنس گیا۔ اس کے خیال کے مطابق سر رحمان کے پاس ایک ڈکٹافون کی موجودگی ناگزیر تھی لیکن وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔

صدر مملکت نے ایکسٹو کو ہاتھ پیچھے کرتے دیکھ لیا تھا۔ انہوں نے میز پر لگا ہوا بٹن دبا دیا۔ بٹن دبتے ہی دروازہ کھلا اور پریذیڈنٹ سکیورٹی پولیس کے چار آفیسر ہاتھوں میں ٹامی گنیں لیے اندر داخل ہوئے۔

"مسٹر ایکسٹو کو گرفتار کر لو" ـــــ صدر مملکت نے ایکسٹو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا جو خاموش کھڑا کچھ سوچ رہا تھا۔

آفیسر ایکسٹو کے قریب آکر رک گئے۔ اس سے آگے کچھ کرنے کی ان میں جرأت نہیں تھی کیونکہ ایکسٹو کے کارناموں نے تمام محکموں میں اسے ہیرو بنا رکھا تھا اور ہیروشپ کے ساتھ ساتھ اس کی ہمہ گیر شخصیت سے وہ خوف زدہ بھی رہتے تھے۔

"رک کیوں گئے ـــــ؟ آگے بڑھو اور انہیں گرفتار کر کے لے جاؤ ـــــ یہ میرا حکم

ہے ——— صدر مملکت نے پولیس افسروں کو رکتے دیکھ کر ڈانٹا۔

اس سے پہلے کہ وہ آفیسر آگے بڑھتے ایکسٹو نے جواب دیا۔

" جناب صدر صاحب! ——— آپ ذرا صبر اور تحمل سے کام لیں ——— ایک ملک کے صدر کو ٹھنڈے دماغ کا آدمی ہونا چاہیئے۔ اس طرح چیخنا چلانا اور جذباتی ہونا ایک صدر کے شایانِ شان نہیں ——— اب تک میں اس لیے خاموش تھا کہ میں نہیں چاہتا تھا کہ باقی ممبرز کے سامنے میں کوئی بات کروں لیکن آپ نے جذباتیت کی انتہا کر دی ہے۔ اس لیے میں آپ کو صرف اتنا یاد دلانا چاہتا ہوں کہ آپ کو شاید یاد نہیں رہا کہ آپ مجھے گرفتار کرانے کا اختیار نہیں رکھتے۔ سپریم کورٹ اور مرکزی اسمبلی نے آپ کے اختیارات میرے متعلق بے حد محدود کر دیئے ہیں ——— بس اس سے زیادہ میں کچھ نہیں کہنا چاہتا" ——— ایکسٹو نے انتہائی کرخت لہجے میں جواب دیا۔

" لیکن یہ اس وقت کی بات ہے جب آپ آن ڈیوٹی تھے ——— اب آپ استعفیٰ دے چکے ہیں اور میں اس استعفیٰ کو منظور کر چکا ہوں اس لیے اب آپ کی وہ حیثیت نہیں رہی" ——— صدر مملکت جھلا گئے۔

" میں آپ سے بحث نہیں کرنا چاہتا ——— ورنہ میں آپ کو یہ بھی بتلا دیتا کہ میرے استعفیٰ پر منظوری آپ کے اختیارات سے باہر ہے ——— آپ نہ اسے منظور کر سکتے ہیں نہ مسترد" ——— ایکسٹو نے کہا۔

" آپ لوگ باہر جائیں" ——— صدر کو شاید ایکسٹو کے سپریم کورٹ اور مرکزی اسمبلی کی طرف سے دیئے گئے وسیع اختیارات یاد آگئے تھے۔ اس لیے وہ ٹھنڈے پڑ گئے۔ اس لیے انہوں نے پولیس آفیسروں کو باہر جانے کا حکم دے دیا اور وہ خاموشی سے باہر چلے گئے۔

" آپ کو سر رحمان کو کس بات کا شک ہوا تھا" ——— ؟ صدر مملکت نے نرم لہجے میں پوچھا۔

" مجھے اب بھی یقین ہے کہ سر رحمان کے پاس ڈکٹا فون ہے جو ہماری اس میٹنگ کی تمام باتیں نشر کر رہا ہے" ——— ایکسٹو نے سرد لہجے میں کہا۔

" یہ کیسے ہو سکتا ہے" ——— ؟ تمام ممبرز اس خوفناک انکشاف سے اچھل پڑے۔

" یہ بکواس ہے ——— آپ مجھے خواہ مخواہ ذلیل کرنے پر اتر آئے ہیں" ——— سر رحمان نے غصے سے چیخ کر کہا۔

اور دوسرے لمحے ایکسٹو کی نظر ان کی گردن کی پشت پر بالوں کے نیچے پڑ گئی۔ وہاں ایک مخصوص سا ابھار تھا اور ایکسٹو کے ذہن میں ایک کوندا سا لپک گیا۔ وہ سب کچھ سمجھ گیا تھا۔

" اگر میں ثابت کر دوں تو" ——— ایکسٹو نے اطمینان بھرے لہجے میں کہا۔ اور پھر اس نے اچانک اپنی جیب سے چاقو نکالا اور پھر دوسرے لمحے وہ سر رحمان کی جلد کو چیر چکا تھا۔

جلد چھٹتے ہی اس میں سے ایک بالکل چپٹی مگر انتہائی چھوٹی سی پتی باہر نکل آئی جو جلد کے اندر رکھ کر اوپر سے جلد کو سی دیا گیا تھا۔ چھوٹے چھوٹے بالوں کی وجہ سے جلد پر لگے ہوئے ٹانکے نظر آرہے تھے۔

یہ پتی نکلتی دیکھ کر وہ سب حیرت زدہ رہ گئے۔

سر رحمان بھی ہکا بکا رہ گئے۔ ان کی آنکھیں حیرت کی زیادتی کی وجہ سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

" یہ کیا ہے" ——— ؟ سر سلطان نے پوچھا۔

" جدید ترین ڈکٹا فون کا مائیک فون۔ جس کے ذریعے اس میٹنگ کی تمام کاروائی

مجرم اپنے اڈے پر بیٹھے سن رہے ہیں" ۔۔۔ ایکسٹو نے اطمینان سے پُر لہجے میں جواب دیا۔

" اوہ! ۔۔۔ تو کیا سر رحمان غداروں سے مل گئے ہیں" ۔۔۔؟ صدر مملکت کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔

سر رحمان کا چہرہ پریشانی، حیرت اور ندامت سے زرد ہو رہا تھا۔ انہیں ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے انہیں بھری محفل میں جوتے مارے گئے ہوں۔ سر سلطان بھی حیرت کی شدت سے گنگ کھڑے تھے۔

" نہیں جناب! ۔۔۔ سر رحمان کی وفاداری پر شک کرنا لفظ وفاداری کی توہین ہے ۔۔۔ ان کی حب الوطنی شک و شبہ سے بالاتر ہے" ۔۔۔ ایکسٹو نے پُر وقار لہجے میں کہا۔

" لیکن یہ پھر کیا ہے" ۔۔۔؟ صدر مملکت الجھ گئے۔

ایکسٹو کے اس جملے نے سر رحمان کی ڈھارس بندھا دی اور ان کے چہرے پر چھائی ہوئی زردی میں کچھ کمی واقع ہو گئی۔

" میں تفصیل بتلاتا ہوں" ۔۔۔ ایکسٹو پُر وقار چال چلتا ہوا دوبارہ اپنی کرسی کے قریب آ کر رک گیا۔

" جناب صدر! ۔۔۔ بات یہ ہے کہ سر رحمان کو مجرموں نے اغوا کر لیا۔ میں اسے اغوا ہی کہوں گا کیونکہ سر رحمان پر مصنوعی موت طاری کی گئی تھی۔ اور بعد میں انہیں زندہ کیا گیا لیکن اس کے ساتھ ہی ان کی بے خبری میں یہ جدید قسم کا ڈکٹا مائیکرو فون ان کی گردن کی پشت پر جلد کے اندر سی دیا گیا تاکہ جب انہیں رہا کیا جائے تو ان کے ذریعے حکومت کی تمام سرگرمیاں ان کے علم میں رہیں۔ سر رحمان چونکہ ایک ایسی پوسٹ پر ہیں کہ ہر میٹنگ میں ان کی موجودگی نہایت ضروری ہوتی

ہے۔ اس لیے ان کی نظر میں سر رحمان پر پڑی ۔۔۔ یہ تو اچھا ہوا کہ مجھے مبہم سی اطلاع مل گئی کہ سر رحمان کے ساتھ انہوں نے کوئی چکر کھیلا ہے۔ مجھے یہ پتہ نہیں تھا کہ انہوں نے باقاعدہ جلد چیر کر مائیک اندر رکھا ہوگا۔ چنانچہ میں نے رسک اٹھایا اور خدا کا شکر ہے کہ میں کامیاب رہا ۔۔۔ دراصل میں اسی لیے اپنا منصوبہ یہاں پیش نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن آپ نے جذبات اور غصے سے کام لیا اور مجھے مجبوراً استعفٰی دینا پڑا" ۔۔۔ ایکسٹو نے باقاعدہ ایک تقریر کر دی۔ اور صدر مملکت کے چہرے پر ندامت اُمڈ پڑی۔

" مجھے افسوس ہے مسٹر ایکسٹو! ۔۔۔ میں جذبات میں آ گیا تھا ۔۔۔ دراصل حالات نے میرے ذہن پر ایسا اثر کیا ہے کہ میں نروس ہو گیا ہوں" ۔۔۔ صدر مملکت نے اپنی ندامت کا اظہار کر دیا۔

صدر مملکت جب یہ بات کر رہے تھے تو ایکسٹو نے ایک چھوٹی سی چٹ پر جلدی سے چند جملے لکھے اور صدر کے سامنے رکھتے ہوئے بولا۔

" معاف کیجئے صدر صاحب! ۔۔۔ میں استعفٰی دے چکا ہوں اس لیے آج سے میری ہر قسم کی ذمہ داری ختم ۔۔۔ آپ جانیں اور مجرم ۔۔۔ مجھے اجازت دیجئے"۔ ایکسٹو کا لہجہ کافی سے زیادہ سخت تھا۔

" لیکن میں ندامت کا اظہار کر چکا ہوں ۔۔۔ اور آجکل حالات بڑے نازک ہیں اس لیے آپ کا استعفٰی مسترد کیا جاتا ہے" ۔۔۔ صدر مملکت نے کہا۔

" معاف کیجئے ۔۔۔ ایک بار فیصلہ کر کے بدلنا میرا اصول نہیں ہے ۔۔۔ اچھا اب اجازت" ۔۔۔ ایکسٹو نے کہا اور پھر وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا کانفرنس روم سے باہر نکل گیا اور صدر مملکت کے علاوہ باقی تمام ممبر ہونقوں کی طرح منہ پھاڑے ایکسٹو کو باہر جاتے ہوئے دیکھتے رہ گئے۔

کیپٹن شکیل کو جب ہوش آیا تو وہ ایک پلنگ پر لیٹا ہوا تھا۔ اس کے تمام جسم پر پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔ وہ ایک چھوٹے سے کمرے میں تھا۔ سوائے اس پلنگ کے اور ہر قسم کے سامان سے عاری تھا۔

کیپٹن شکیل کو جب گذرے ہوئے حالات کا تصور آیا تو وہ بے اختیار اٹھ بیٹھا لیکن پھر اس کے منہ سے بے اختیار کراہ نکل گئی کیونکہ اُسے تمام جسم میں شدید جلن کا احساس ہوا تھا۔

"کیا مجرموں نے مجھے موت کے منہ سے نکال لیا ہے —— ؟ مگر کیوں —— ؟ اس کے ذہن میں یہ سوالیہ نشان ابھر آیا۔ لیکن جب کافی دیر غور کرنے کے باوجود بھی وہ اس سوال کی کوئی مناسب تاویل نہ کر سکا تو اس نے سر جھٹک کر اس خیال کو ذہن سے نکال دیا۔ اور دوبارہ پلنگ پر لیٹ گیا۔

ابھی اُسے لیٹے ہوئے چند ہی منٹ ہوئے تھے کہ کمرے کا دروازہ کھلا اور ایک خوبصورت لڑکی اندر داخل ہوئی۔

"کیا حال ہیں مسٹر —— ؟ لڑکی نے بڑی ہمدردی اور نرم لہجے میں پوچھا۔

"آپ کے سامنے ہوں مس ——" کیپٹن شکیل نے جان بوجھ کر فقرہ نامکمل چھوڑ دیا۔

"سوزیہ" —— لڑکی نے فقرہ مکمل کر دیا۔

"مس سوزیہ! —— میں اس وقت کہاں ہوں" —— ؟ کیپٹن شکیل نے پوچھا۔

"ایک کمرے میں پلنگ کے اوپر" —— سوزیہ جو شائد پُرمزاح طبیعت کی مالک تھی ہنستی ہوئی بولی۔

"اوہ — میں سمجھا تھا کہ شائد کمرے کے اوپر اور پلنگ کے نیچے ہوں" — کیپٹن شکیل نے بھی فقرہ جڑ دیا اور سوزیہ کے ترنم سے پُرقہقہہ سے کمرہ گونج اٹھا۔

"مسٹر ——" سوزیہ نے بھی کیپٹن شکیل والا حربہ دہرایا

"فیروز" —— کیپٹن شکیل نے فرضی نام بتلا دیا۔

"مسٹر فیروز! —— کیا میں پوچھ سکتی ہوں کہ آپ اس بُری طرح کیسے جل گئے" ؟ سوزیہ کے لہجے میں ہمدردی تھی۔

"جل گیا" —— کیپٹن شکیل نے لاعلمی کی اداکاری کی۔

"جی ہاں! —— آپ ہیں راس روڈ کے چوراہے پر پڑے ملے تھے اور آپ کا جسم بُری طرح جلا ہوا تھا۔ میں اور میرے ڈیڈی فلم دیکھ کر آ رہے تھے کہ آپ پر نظر پڑ گئی۔ ہم نے آپ کو وہاں سے اٹھایا اور یہاں لے آئے۔ پھر ڈاکٹر کو بلا کر مرہم پٹی کی۔ اور اب آپ کو ہوش آیا ہے" —— سوزی نے پوری تفصیل بتائی اور کیپٹن شکیل یہ سوچتا رہ گیا کہ یہ لڑکی اداکاری کر رہی ہے یا واقعی مجرموں نے اُسے چوراہے پر ڈال دیا تھا۔

"کمال ہے مجھے تو کچھ بھی یاد نہیں —— بس اتنا یاد ہے کہ میں وکٹری روڈ پر جا رہا تھا کہ اچانک مجھے چکر آنے لگے۔ میں نے سنبھلنے کی بے حد کوشش کی لیکن دماغ پر اندھیرا چھاتا چلا گیا اور اب مجھے ہوش آیا اور واقعی مجھے ایسے محسوس ہو رہا ہے جیسے میرا تمام جسم جلا ہوا ہے" —— کیپٹن شکیل نے بھی ایک کہانی گھڑ لی۔

"ایک عجیب بات اور میں نے نوٹ کی ہے۔ اگر آپ بُرا نہ مانئیں تو میں پوچھوں" سوزیہ نے بغور کیپٹن شکیل کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"ضرور ضرور۔ پوچھیں"۔۔۔ کیپٹن شکیل نے کہا۔

"میں نے دیکھا ہے کہ جب بھی آپ ذرا سی کروٹ بدلتے ہیں تو تکلیف کی وجہ سے آپ کے منہ سے کراہ نکل جاتی ہے مگر آپ کے چہرے پر تکلیف کے آثار بالکل پیدا نہیں ہوتے"۔۔۔؟ سوزیہ نے سوال کیا۔

"دراصل بات یہ ہے کہ میں نے چہرے پر پلاسٹک سرجری کروائی ہے اس لیے وہ اثرات پیدا کرنے سے قاصر ہے"۔۔۔ کیپٹن شکیل اور کیا کہتا۔

"اچھا اب آپ آرام کریں اور آپ مجھے اپنے وارثوں کا پتہ بتلا دیں تاکہ میں انہیں آپ کے متعلق اطلاع کرا دوں"۔۔۔ سوزیہ نے کہا۔

"میں خود ہی چلا جاتا ہوں۔ آپ لوگوں کو پہلے ہی میری وجہ سے بیحد تکلیف ہوئی ہے"۔۔۔ کیپٹن شکیل کو اچانک اپنے فرض کا شدت سے احساس ہوا۔ اس لیے وہ پھرتی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ گو اس کے تمام جسم میں اس پھرتی کی وجہ سے شدید ٹیسیں دوڑ گئیں لیکن وہ ضبط کر گیا۔

"نہیں نہیں ۔۔۔ ڈاکٹر نے آپ کو چلنے پھرنے سے منع کیا ہوا ہے"۔۔۔ سوزیہ بوکھلا گئی۔

"آپ بے فکر رہیں۔ مجھے کچھ نہیں ہوتا ۔۔۔ اچھا خدا حافظ"۔۔۔ کیپٹن شکیل دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔

"سنیئے۔۔۔ رک جائیے ۔۔۔ اگر آپ بضد ہیں تو میں آپ کو کار پر چھوڑ آتی ہوں"۔ سوزیہ نے تجویز پیش کی اور کیپٹن شکیل نے رضامندی ظاہر کر دی۔

تھوڑی دیر بعد وہ کار میں بیٹھا اپنے فلیٹ کی طرف جا رہا تھا اور پھر وہ اپنے

فلیٹ سے تقریباً بیس فلیٹ پہلے اتر گیا۔

"خدا حافظ"۔۔۔ کیپٹن شکیل نے لڑکی سے کہا اور پھر فلیٹ کی سیڑھیاں چڑھنے لگا۔

سوزیہ نے ایک نظر فلیٹ پر ڈالی اور پھر کار واپس موڑ لی۔

کیپٹن شکیل دو تین سیڑھیاں چڑھ کر رک گیا اور پھر جب اُسے یقین ہو گیا کہ سوزیہ واپس چلی گئی ہے تو وہ دوبارہ نیچے اترا اور پھر آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا اپنے فلیٹ کی طرف بڑھ گیا۔ فلیٹ میں پہنچ کر سب سے پہلا کام اس نے یہی کیا کہ رسیور اٹھا کر ایکسٹو سے رابطہ ملانے لگا۔ چند ہی لمحے بعد رابطہ مل گیا۔

"ایکسٹو"۔۔۔ دوسری طرف سے مخصوص آواز ابھری۔

"سر!۔۔۔ میں شکیل بول رہا ہوں"۔۔۔ کیپٹن شکیل نے جواب دیا۔

"اوہ!۔۔۔ کیپٹن شکیل! تم کہاں سے بول رہے ہو"۔۔۔ ایکسٹو کی آواز میں قدرے نرمی تھی۔

"سر!۔۔۔ میں اپنے فلیٹ سے بول رہا ہوں ۔۔۔ میرا تمام جسم جل گیا ہے اور۔" کیپٹن شکیل نے رپورٹ دینی شروع کی ہی تھی کہ ایکسٹو نے فقرہ کاٹ دیا۔

"کیپٹن شکیل!۔۔۔ میں عمران کو وہاں بھیج رہا ہوں۔ تم اسے رپورٹ دے دینا"۔ ایکسٹو نے کہا۔

"بہت بہتر سر۔۔۔ میں عمران صاحب کا انتظار کرتا ہوں"۔۔۔ کیپٹن شکیل نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے ۔۔۔ وہ جلد ہی تمہارے پاس پہنچ جائے گا"۔۔۔ ایکسٹو نے جواب دیا اور پھر رابطہ ختم ہو گیا۔

کیپٹن شکیل رسیور رکھ کر پلنگ پر دراز ہو گیا اور عمران کا انتظار کرنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد عمران فلیٹ میں داخل ہوا۔ اُسے اندر آتا دیکھ کر کیپٹن شکیل اٹھ بیٹھا۔

"اوہ ۔۔ یہ تمہاری کیا حالت ہو رہی ہے ۔۔۔ ؟ کیا کسی لونڈیا کے چکر میں پڑ کر رقیبوں سے تو نہیں لڑ بیٹھے"۔۔۔ ؟ عمران نے قریب آ کر پوچھا۔

"مجھے یہاں چھوڑ کر جانے والی تو لونڈیا ہی تھی مگر یہ زخم اس سے پہلے کے ہیں"۔۔۔ کیپٹن شکیل نے قدرے مسکراتے ہوئے کہا۔ واقعی کیپٹن شکیل کی قوت برداشت بے پناہ تھا جو بے حد تکلیف کے باوجود بھی خوش مذاقی کو قائم رکھے ہوئے تھا۔

"اب سناؤ اپنی عشقیہ سٹوری ۔۔۔ میں کوشش کروں گا کہ تمہارے زخموں کو اپنی قلم کی نوک سے صفحہ قرطاس پر اجاگر کر سکوں۔ لیکن یہ وعدہ نہیں کر سکتا کہ یہ ناول چھپ بھی جائے گی یا نہیں۔ کیونکہ تمہیں معلوم ہے کہ ناشر حضرات ۔۔۔ ہاں یاد آیا ۔۔۔ یار یہ بتاؤ کہ کتابیں چھاپنے والے کو ناشر کیوں کہتے ہیں ۔۔۔ ؟ ناشر کا مطلب تو ہوا نشر کرنے والا اور ریڈیو سے کوئی ڈرامہ تو نشر ہو سکتا ہے کتابیں تو نشر نہیں ہو سکتیں" ۔۔۔ عمران کی حسب عادت ذہنی رو بہک گئی۔

"چھوڑیئے اس چکر کو آپ" ۔۔۔ کیپٹن شکیل نے بات موڑنی چاہی۔

"واہ ۔۔۔ کیسے چھوڑ دوں ۔۔۔ ؟ انہوں نے کب عوام کو بخشا ہے۔ ایسی ایسی کتابیں چھاپی ہیں کہ پڑھ کر آدمی حیرت سے دنگ ۔۔۔ زبان سے گنگ ۔۔۔ مگر قافیہ ملا نہیں ۔۔۔ دنگ کا قافیہ گنگ نہیں ہو سکتا البتہ جنگ ہو سکتا ہے ۔۔۔ اوہ بھنگ سے مجھے خیال آیا۔ واہ واہ کیا اچھوتی تحقیق ہے ۔۔۔ میرے خیال میں ناشر کا مطلب ہے نشہ کرنے والا ۔۔۔ دیکھو نہ کتابیں چھاپنا بھی تو ایک نشہ ہے یعنی کتاب بکے نہ بکے انہوں نے چھاپنی ضرور ہے۔ گھر پھونک تماشہ دیکھنا اسے ہی کہتے ہیں"۔ عمران ہاتھ نچا نچا کر بولتا گیا۔

"ویسے میرا خیال آپ سے مختلف ہے"۔۔۔ کیپٹن شکیل کو اور کوئی چارہ نہ دیکھ کر اس فضول بحث میں شامل ہونا پڑا۔

"وہ کیسے"۔۔۔ ؟ عمران نے اشتیاق سے پوچھا۔

"دیکھئے عمران صاحب! ۔۔۔ شر کہتے ہیں برائی کو ۔۔۔ اور نا کا مطلب ہے نہیں۔ یعنی ناشر کا مطلب ہوا برائی نہ کرنے والا"۔۔۔ کیپٹن شکیل نے اپنا خیال ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

"تو تمہارا مطلب ہے کہ ناشر نیک آدمی کو کہتے ہیں ۔۔۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے کتابیں چھاپنے کے لیے آسمان سے فرشتے اتارے ہیں"۔۔۔ عمران بھی باقاعدہ جرح کرنے پر اتر آیا۔

"اللہ میاں نے بھی تو کتابیں بھیجی ہیں"۔۔۔ کیپٹن شکیل کب پیچھے رہ سکتا تھا اس نے بھی دلیل دے دی۔

"ارے بھائی ۔۔۔ اللہ میاں ان کتابوں کا مصنف ہے ناشر نہیں ۔۔۔ اب تم خود سوچو ناشر کے مقابلے میں مصنف کا کیا رتبہ ہے"۔۔۔ عمران بولا۔

"اس کا مطلب ہے کہ مصنف اللہ میاں کی سنت پر عمل کر رہے ہیں"۔۔۔ کیپٹن شکیل نے جواب دیا۔

"ہاں ۔۔۔ جہاں تک ان کی عقل دوڑ سکتی ہے وہاں تک وہ عمل کر رہے ہیں۔ اللہ میاں تو عقلِ کل ہوا ۔۔۔ انسان کی کیا مجال کہ عقلِ کل کا مقابلہ کر سکے۔ لیکن بہرحال وہ خدا کا نائب ہے اس لیے کتابیں ضرور لکھتا ہے ۔۔۔ سنت جو پوری کرنی ہوئی"۔ عمران باقاعدہ جرح کے موڈ میں تھا۔

"ویسے عمران صاحب! ایک بات اور ہے ۔۔۔ اگر ناشر کتابیں نہ چھاپیں تو مصنف حضرات کی کیا اہمیت رہ جاتی ہے"۔۔۔ ؟ کیپٹن شکیل کو اب اس بحث میں

مزہ آنے لگا۔

"بھئی اگر مصنف کتابیں ہی نہ لکھتے تو ناشر کا وجود ہی نہیں رہتا"۔۔۔ عمران نے مقابلے کی دلیل دی۔

"تو ثابت ہوا کہ دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم ملزوم ہیں"۔۔۔ کیپٹن شکیل نے کہا۔

"ہاں۔۔۔ ہیں تو سہی مگر میرے خیال میں اگر ایک مصنف ناشر بن جائے تب تو اس کا رتبہ ڈبل ہو گیا یعنی نوراً علیٰ نور"۔۔۔ عمران نے جواب دیا۔

"اور اگر ناشر مصنف بن جائے تو کیا اس کا رتبہ ڈبل نہیں ہو جائے گا"۔۔۔؟ کیپٹن شکیل بولا۔

"ناشر کو کیا تکلیف ہوئی ہے کہ وہ مصنف بنے۔۔۔؟ مصنف بیچارہ خون جگر پی پی کر کتاب لکھے اور پھر جب ناشر کے پاس لے جائے تو ناشر صاحب بڑی نخوت سے وہ مسودہ پڑھیں گے۔۔۔ اور اگر پسند نہ آیا تو مسودہ مصنف کی ناک پر دے مارا اور اگر پسند آگیا تو بیس تیس روپے اٹھا کر مصنف کی ہتھیلی پر جما دیئے۔ پھر اس کے ساتھ ہی ایسی باتیں بھی کریں گے جیسے بیس تیس روپے دے کر مصنف کی سات پشتوں پر احسان کر رہے ہیں۔ اُسے مول خرید لیا ہے۔۔۔ اب اگر مصنف ڈرتے ڈرتے معاوضہ کی کمی کا رونا روئے تو وہ بڑے اطمینان سے کہیں گے۔ یہ ہمارا کم احسان ہے کہ ہم تمہارا مسودہ بھی چھاپ رہے ہیں اور تمہیں معاوضہ بھی دے رہے ہیں ورنہ ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ تم ہمیں مسودہ چھپوانے کے لیے رقم بھی مہیا کرو"۔۔۔ عمران نے باقاعدہ تقریر کر ڈالی۔

کیپٹن شکیل ہنسنے لگا۔

"ابھی تک کوئی آیا ہی نہیں"۔۔۔ اچانک عمران بڑبڑایا۔

"یہ بتاؤ کہ لونڈیا تمہیں اسی فلیٹ پر چھوڑ گئی تھی"۔۔۔؟ عمران نے کیپٹن شکیل سے سوال کیا۔

"نہیں۔ میں"۔۔۔ کیپٹن شکیل نے جواب دینا چاہا مگر عمران نے اس کی بات کاٹ دی۔

"اوہ۔۔۔ پھر تو میں خوامخواہ بحث کرتا رہا"۔۔۔ عمران نے کہا۔

"کیا مطلب۔۔۔؟ میں سمجھا نہیں"۔۔۔ کیپٹن شکیل نے حیرت سے پوچھا۔

"نہ سمجھو تو اچھا ہے"۔۔۔ عمران نے کہا اور پھر جیب سے ایک کاغذ نکال کر اس پر جلدی سے ایک فقرہ لکھ کر کیپٹن شکیل کے سامنے رکھ دیا۔ اور کیپٹن شکیل اُسے پڑھنے لگا۔

"تم خاموش رہنا۔ میں جو کچھ بھی کروں بولنا نہیں"۔۔۔ پڑھنے کے بعد کیپٹن شکیل حیرت بھری نظروں سے عمران کو دیکھنے لگا۔

عمران نے جیب سے چاقو نکالا اور پھر کیپٹن شکیل کی گردن کی پشت ٹٹولنے لگا۔

کیپٹن شکیل کا حیرت کی زیادتی سے بُرا حال تھا لیکن حسب حکم وہ خاموش رہا۔

دوسرے لمحے عمران اس ابھار کا پتہ چلا چکا تھا چنانچہ اس نے پھرتی سے وہاں سے جلد کاٹ دی۔ کیپٹن شکیل کی ہلکی سی سسکی نکل گئی۔ اور دوسرے لمحے عمران کے ہاتھ میں وہ پتی تھی جو اس نے کیپٹن شکیل کی جلد کے اندر سے نکالی تھی۔

"ہاں۔۔۔ اب بتاؤ کیا گذری تم پر"۔۔۔؟ عمران نے سامنے والے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

کیپٹن شکیل نے اس جگہ پر ہاتھ پھیرا جہاں سے جلد کاٹی گئی تھی لیکن وہاں سے خون وغیرہ نہیں نکلا۔ کیونکہ وہاں خون کی شریانیں کافی گہرائی پر تھیں اور پتی صرف اوپر کی جلد کاٹ کر سی دی گئی تھی۔

"یہ کیا چیز ہے"——؟ کیپٹن شکیل نے حیرت سے پوچھا۔

"یہ ایک جدید ڈکٹا فون مائیک ہے——تمہیں چھوڑا اسی لیے گیا تھا کہ تم جا کر اپنے باس سے بات کرو اور وہ تمہارے ذریعے تمہارے تمام ساتھیوں اور تمہارے چیف کو پکڑ لیں——میں اسی لیے تمہاری کہانی سننے کی بجائے بحث کرنے لگا کہ وہ ضرور میرا نام سن کر فلیٹ پر آئیں گے۔ مگر تم نے کہیں اور اتر کر ان کی تمام سکیم برباد کر دی"——عمران نے تفصیل سے بتلایا۔

"کمال ہے——مگر آپ کو کیسے معلوم ہو گیا کہ یہ یہاں چھپا ہوا ہے"——؟ کیپٹن شکیل نے پوچھا۔

"یہ بعد میں بتاؤں گا——پہلے تم یہ بتاؤ کہ تم اترے کہاں تھے"——؟ عمران نے ذہن میں ایک خاص خیال آنے پر پوچھا۔

"یہاں سے بیس فلیٹ پیچھے"——کیپٹن شکیل نے بتایا۔

"تو پھر تم دروازہ اندر سے بند کر لو——میں جا رہا ہوں"——عمران نے کہا اور پھر تیزی سے کمرے سے باہر نکل گیا۔

کیپٹن شکیل حیرت سے منہ پھاڑے اُسے جاتے دیکھتا رہا۔ پھر اس نے اٹھ کر دروازہ بند کر دیا۔

صفدر اب بالکل ٹھیک ٹھاک تھا۔ ڈاکٹر درانی کی طبی مہارت اور محنت نے اُسے جلد ہی اس قابل بنا دیا تھا کہ وہ دوبارہ اپنی سروس کی ہنگامہ آرائیوں میں حصّہ لینے کے قابل ہو گیا تھا۔ لیکن ابھی تک ایکسٹو نے اس کے ذمے کوئی کام نہیں لگایا تھا وہ اپنے فلیٹ میں فارغ پڑے پڑے اکتا گیا تھا لیکن مجبور تھا۔ ایکسٹو کا حکم تھا کہ کوئی ممبر بغیر حکم کے اپنے فلیٹ سے باہر نہ جائے۔

اس وقت رات کے تقریباً گیارہ بجے تھے اور صفدر ایک کتاب کا مطالعہ کر کے اب سونے کا پروگرام بنا ہی رہا تھا کہ تپائی پر پڑے ہوئے ٹیلیفون کی گھنٹی بج اٹھی اس نے پھرتی سے رسیور اٹھا کر کانوں سے لگا لیا۔

"صفدر سپیکنگ"

"ایکسٹو"——دوسری طرف سے ایکسٹو کی مانوس آواز گونجی۔

"یس سر"——صفدر نے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔

"صفدر——کیا تم کام کرنے کے لیے تیار ہو"——؟ ایکسٹو نے پوچھا۔

"جی ہاں جناب!——میں تو کام کے انتظار میں ہوں"——صفدر نے کہا۔

"ٹھیک ہے——تم ایسا کرو کہ جتنی جلدی ہو سکے کیپٹن شکیل کے فلیٹ پر پہنچو۔ عمران وہاں گیا ہے——تم نے عمران کی نگرانی کرنی ہے۔ اگر کوئی گروہ اُسے

گرفتار یا اغوا کر کے لے جائے تو تمہارا کام صرف نگرانی کرنا ہے ___ ٹرانسمیٹر واچ اپنے ساتھ لے جانا۔ میں خود ہی تم سے رابطہ قائم کر لوں گا" ___ ایکسٹو نے صفدر کو حکم دیتے ہوئے کہا۔

" بہت بہتر جناب! ___ میں ابھی جاتا ہوں" ___ صفدر نے کہا۔

" اوکے" ___ ایکسٹو نے کہا اور پھر رابطہ ختم ہو گیا۔

صفدر نے رسیور رکھا اور پھر جلدی سے کپڑے تبدیل کرنے لگا۔ ہلکا سا میک اپ کیا اور پھر ریوالور اور کچھ فالتو گولیاں جیب میں ڈال کر وہ تیزی سے فلیٹ سے نیچے اتر آیا۔ فلیٹ کے نیچے ایک طرف کھڑی ہوئی موٹر سائیکل پر بیٹھا اور پھر سیلف بٹن دبا کر اسے سٹارٹ کیا اور چند ہی لمحوں بعد اس کی موٹر سائیکل کیپٹن شکیل کے فلیٹ کی طرف اڑی چلی جا رہی تھی۔

کیپٹن شکیل کے فلیٹ سے پہلے اس نے ایک برآمدے میں موٹر سائیکل کھڑی کی اور خود بھی وہیں رک کر انتظار کرنے لگا۔ برآمدہ مکمل تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس لیے وہ محفوظ تھا۔

ابھی صفدر کو وہاں پہنچے چند ہی منٹ ہوئے تھے کہ ایک ٹیکسی کیپٹن شکیل کے فلیٹ کے قریب آکر رکی اور پھر عمران اس سے نکل کر تیزی سے سیڑھیاں چڑھتا ہوا فلیٹ پر چلا گیا۔ ٹیکسی آگے بڑھ گئی۔

صفدر وہیں کھڑا انتظار کرتا رہا۔ کافی دیر ہو گئی نہ تو عمران فلیٹ سے باہر آیا اور نہ ہی کوئی اور شخص اسے فلیٹ کے گرد مشتبہ حالت میں نظر آیا۔ وہ حیران تھا کہ یہ معاملہ کیا ہے۔ ایکسٹو نے تو اسے یوں جلدی جانے کا حکم دیا تھا جیسے اگر وہ ذرا بھی لیٹ ہو گیا تو معاملہ بگڑ جائے گا اور یہاں ابھی تک کچھ ہوا ہی نہیں ___ بہرحال وہ انتظار کرتا رہا۔ پھر وہ چونک پڑا۔ کیپٹن شکیل کے فلیٹ سے تقریباً

بیس فلیٹ دور دو گاڑیاں آکر رکیں اور پھر ان میں سے کوئی ایک درجن کے قریب افراد نکل کر فلیٹ کی سیڑھیاں چڑھنے لگے۔ چند ایک افراد وہیں نیچے کھڑے رہے۔

صفدر کو معاملہ پراسرار لگا لیکن وہ وہیں کھڑا دیکھتا رہا۔

چند منٹ بعد فلیٹ میں جانے والے افراد تیزی سے نیچے اتر آئے۔ انہوں نے نیچے کھڑے افراد سے کچھ لمحے بات چیت کی اور پھر وہ سب پیدل چلتے ہوئے کیپٹن شکیل کے فلیٹ کی طرف بڑھنے لگے۔ وہ تقریباً ہر فلیٹ کے قریب رکتے۔ دو آدمی اوپر جاتے۔ پھر نیچے اتر آتے اور آگے بڑھ آتے۔

صفدر یہ تمام کارروائی بڑی حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ پھر وہ سب افراد کیپٹن شکیل کے فلیٹ کے نیچے آکر رک گئے۔ ابھی ان میں سے دو آدمی اوپر چڑھنے کا ارادہ کر ہی رہے تھے کہ عمران اوپر سے نیچے اترتا ہوا دکھائی دیا۔ وہ سب پھرتی سے ادھر ادھر آڑ میں ہو گئے اور پھر عمران نے جیسے ہی سیڑھیوں سے نیچے قدم رکھا۔ اچانک دس بارہ آدمی اس پر پل پڑے۔

عمران نے لڑنے اور ان سے چھٹکارا پانے کی بے حد کوشش کی لیکن دس بارہ آدمیوں کے اچانک آپڑنے سے اس کی کوئی پیش نہ چلی یا خود ہی گرفتار ہونا چاہتا تھا۔ کوشش اس نے اس لیے کی تھی تاکہ حملہ آوروں کو یقین ہو جائے کہ گرفتار ہونے میں عمران کی مرضی شامل نہیں تھی۔

صفدر کو یہ دوسرا نظریہ زیادہ قابل قبول لگا۔ کیونکہ ایکسٹو نے بھی اسے حکم دیا تھا کہ اگر حملہ آور عمران کو گرفتار یا اغوا کر لیں تو وہ اس کا تعاقب کرے۔ دخل نہ دے۔ اس سے تو صاف ظاہر تھا کہ اغوا ہونا پہلے سے ہی پروگرام میں شامل تھا۔ بہرحال عمران کو بے بس کر کے ایک کار میں بٹھا دیا گیا اور پھر کاریں سٹارٹ ہو کر تیزی

سے پیچھے کی طرف مڑیں اور پھر ہوا ہو گئیں۔

صفدر نے تیزی سے اپنا موٹر سائیکل نکالا اور ان کاروں کا تعاقب کرنے لگا۔ اس نے موٹر سائیکل کی ہیڈ لائٹ بند کر رکھی تھی اور صرف کاروں کی بیک لائٹ کے سہارے تعاقب کرنے لگا۔

شہر سے نکل کر کاروں کا رخ مضافات کی طرف ہو گیا۔ صفدر بدستور تعاقب میں تھا۔ اچانک ایک چوراہے پر جا کر وہ چکر کھا گیا۔ کیونکہ ایک کار تو سیدھی چلی گئی اور دوسری بائیں طرف مڑ گئی۔ صفدر کو جلدی میں یہ یاد نہیں رہا تھا کہ عمران کس کار میں تھا۔ اب وہ چکرا گیا کہ کس کار کا تعاقب کرے اور کس کا نہ کرے۔

آخر کار اس نے سیدھی جانے والی کار کا تعاقب کرنے کا فیصلہ کیا اور پھر اس کے پیچھے چل پڑا۔ وہ دل ہی دل میں دعائیں مانگتا جا رہا تھا کہ خدا کرے عمران اسی کار میں ہو۔ آگے جا کر اس کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا کیونکہ دوسری کار بھی چکر کاٹ کر دوبارہ پہلی کار کے پیچھے آ گئی۔ صفدر سمجھ گیا کہ حملہ آوروں نے متوقع تعاقب کرنے والوں کو ڈاج دینے کے لیے یہ سب کچھ کیا ہے۔

اب وہ شہر سے تقریباً بیس میل دور نکل آئے تھے۔ یہاں ایک چھوٹا سا پہاڑی سلسلہ تھا۔ کاروں کا رخ اس پہاڑی سلسلے کی طرف ہو گیا۔ اور پھر جیسے ہی کاریں پہاڑی سلسلے کے ایک درے میں پہنچیں ایک طرف مڑیں اور پھر صفدر کی نظروں سے غائب ہو گئیں۔

صفدر سمجھ گیا کہ مجرموں نے اس پہاڑی سلسلے کو اپنا اڈہ بنایا ہوا ہے۔ اس نے پہاڑی سلسلے سے کافی دور اپنا موٹر سائیکل ایک جھاڑی نما درخت کے نیچے روکا اور پھر اسے جھاڑی نما درخت کے نیچے چھپا دیا اور پھر خود بڑی احتیاط سے چھپتا چھپاتا اس درے کی طرف بڑھنے لگا جہاں وہ کاریں غائب ہوئی تھیں۔

درے کے قریب پہنچ کر صفدر نے دیکھا کہ ایک چھوٹی سی قدرتی سڑک درے کے بائیں سائیڈ مڑ کر بل کھاتی ہوئی پہاڑی کی طرف جا رہی ہے لیکن آگے جا کر وہ سڑک اتنی تنگ ہو گئی تھی کہ کار یقیناً وہاں سے نہیں گذر سکتی تھی۔ صفدر نے سوچا کہ اڈے کا خفیہ دروازہ یہیں کہیں ہونا چاہیئے۔ چنانچہ وہ وہیں رک کر ادھر ادھر غور سے دیکھنے لگا لیکن وہاں موجود ٹھوس چٹانیں اس کا منہ چڑا رہی تھیں۔ اس نے صورت حال سے ایکسٹو کو آگاہ کرنا مناسب سمجھا۔ چنانچہ وہ پیچھے ہٹ آیا اور پھر ایک چٹان کی اوٹ میں بیٹھ کر اس نے واچ ٹرانسمیٹر سے رابطہ قائم کرنا شروع کیا۔ جلد ہی سلسلہ قائم ہو گیا۔

"صفدر سپیکنگ سر اوور"

"یس — ایکسٹو اینڈ اوور" — دوسری طرف سے ایکسٹو کی مخصوص آواز ابھری۔

اور پھر صفدر نے تمام رپورٹ تفصیل سے بتا دی۔

"ویری گڈ نیوز — صفدر تم وہیں رکو — میں باقی ممبروں کو بھی بھیجتا ہوں۔ آج اس کیس کا ڈراپ سین ہو ہی جانا چاہیئے۔ اوور" — ایکسٹو نے کہا۔

"تو کیا میں ان کا انتظار کروں۔ اوور" —؟ صفدر نے پوچھا۔

"ہاں! — تم وہیں ان کا انتظار کرو — الو کی آواز کا سگنل کوڈ ہو گا۔ اوور" ایکسٹو نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے جناب! — میں انتظار کر رہا ہوں اوور" — صفدر نے کہا۔

"اوور اینڈ آل" — ایکسٹو نے کہا اور پھر رابطہ ختم ہو گیا۔

صفدر نے بٹن آف کیا اور پھر اٹھنے لگا ہی تھا کہ اچانک اس کے سر پر شدید ضرب پڑی۔ وہ پھرتی سے مڑا لیکن دوسری ضرب پہلے سے بھی شدید ثابت ہوئی اور

صفدر کا دماغ اندھیرے کے عمیق سمندر میں ڈوبتا چلا گیا۔

کیپٹن شکیل نے جب ایکسٹو کو رپورٹ دی تو اس وقت عمران اور بلیک زیرو دونوں بیٹھے مجرموں کی گرفتاری کے لیے لائن آف ایکشن سوچ رہے تھے لیکن کوئی راہ نظر نہیں آ رہی تھی۔ مجرموں کے تمام اڈے جو ان کی نظروں میں تھے انہیں مجرم چھوڑ گئے تھے۔ ہوٹل تھری سٹار کے مینجر کے ذریعے صرف اسے اتنا پتہ چلا تھا کہ ان کا چیف سر سے گنجا ہے اور پھر باتوں باتوں میں سر رحمان کے اغوا کا ذکر چلا تو مینجر نے صرف اتنا اشارہ کیا کہ سر رحمان کو ایک ڈکٹا فون مائیک لگایا گیا ہے جس کی خبر ان کو بھی نہیں۔ مینجر بے پناہ تشدد کے بعد کچھ بتانے پر راضی ہوا تھا لیکن بعد میں اس نے دانش منزل کے ساؤنڈ پروف کمرے میں خودکشی کر لی۔ خودکشی کے لیے اس نے بجلی کے پلگ میں انگلیاں دے دی تھیں۔ اسی مبہم اشارے پر عمران نے اپنی ذہانت سے صدر کی میٹنگ میں سر رحمان کی جلد سے وہ ڈکٹا فون مائیک برآمد کر لیا تھا۔ اپنی لیبارٹری میں جب اس نے اُس پر تجربات کیے تو پتہ چلا کہ یہ اسی وقت کام کرتا ہے جب اسے انسانی جلد کے ساتھ چھوا جاتے۔ ورنہ وہ کام نہیں کرتا تھا۔

اب وہ دونوں بیٹھے اس بات پر غور کر رہے تھے کہ مجرموں نے عالمگیر تباہی کا الٹی میٹم دے دیا تھا اس لیے عمران چاہتا تھا کہ کسی طرح ان کے مین اڈے پر قبضہ

کیا جائے۔

ابھی وہ دونوں اسی سوچ بچار میں مصروف تھے کہ کیپٹن شکیل کا ٹیلیفون ملا۔ عمران کے ذہن میں ایک خیال بجلی کی طرح کوندا کہ کیپٹن شکیل اگر بچ کر آ گیا ہے اور زخمی ہے تو یقیناً مجرموں نے اس کی جلد میں بھی وہ مائیک ضرور رکھا ہوگا تاکہ اس کے ساتھیوں کا پتہ چلا سکے۔

چنانچہ اس نے اُسے ٹیلیفون پر رپورٹ دینے سے منع کر دیا اور پھر صفدر کو ٹیلیفون کر کے اپنی نگرانی کا حکم دیا اور خود کیپٹن شکیل کے فلیٹ میں چلا گیا۔ اُسے پورا یقین تھا کہ اگر مجرموں کو پتہ چل گیا کہ عمران کیپٹن شکیل کے فلیٹ میں ہے تو وہ یقیناً اس پر حملہ کریں گے اور اس طرح وہ ان کے اڈے تک پہنچنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ چنانچہ یہی ہوا۔ عمران جیسے ہی سیڑھیوں سے نیچے اترا اُسے چھاپ لیا گیا اور پھر کار میں ڈال کر اس پہاڑی سلسلے کی طرف لے جایا گیا۔ درمیان میں اُسے مجرموں نے کلوروفام سونگھا کر بیہوش کر دیا۔ مگر اس نے سانس روک لی تھی اس لیے وہ بیہوش ہونے سے بچ گیا لیکن اس نے ظاہر یہی کیا کہ وہ بیہوش ہو گیا۔

عمران کو اڈے میں لے جا کر ایک کمرے میں لٹا دیا گیا۔ پھر اُسے ہوش میں لانے کی کوشش شروع ہو گئی۔ اور پھر عمران نے سوچا کہ اب آنکھیں کھول ہی دینا چاہیئے۔ چنانچہ اس نے پٹ پٹا کر آنکھیں کھول دیں۔ یہ ایک کشادہ کمرہ تھا جو بجلی کی تیز روشنی سے منور تھا۔

"اٹھو"۔۔۔ اچانک ایک کرخت آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی اور ساتھ ہی اس کے پہلو میں بوٹ کی ٹھوکر لگی۔

عمران تیزی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ کمرے میں چار آدمی ٹامی گنیں لیے کھڑے تھے۔

"کیا بات ہے بڑے بھائیو!۔۔۔ کیا مجھے سلامی دینے کے لیے آئے ہو"۔۔۔ عمران

نے چہکتے ہوئے پوچھا۔

"چلو تمہیں باس بلا رہے ہیں" ۔۔۔۔ ان میں سے ایک نے کرخت لہجے میں کہا اور ساتھ ہی کمرے کے دروازے کی طرف اشارہ کر دیا۔

"زہے نصیب ۔۔۔ مگر یہ بتاؤ یارو! ۔۔۔ تمہارا باس عورت ہے یا مرد ۔۔۔؟ اگر عورت ہے تو پھر پہلے اس کی عمر بتلاؤ۔ کہیں بڈھی نہ ہو اور میرے نصیب پھوٹ جائیں" ۔۔۔۔ عمران نے کہا۔

"بکواس بند کرو ۔۔۔ ورنہ ابھی شوٹ کر دوں گا" ۔۔۔۔ حکم دینے والا دھاڑا۔

عمران نے خاموشی ہی میں عافیت سمجھی۔ کیونکہ ان کے تیور کچھ خطرناک ہی نظر آ رہے تھے۔ کمرے سے نکل کر وہ ایک کشادہ مگر بے حد طویل گیلری میں آ گئے۔ گیلری کراس کر کے وہ ایک بڑے دروازے کے قریب آ کر رک گئے۔

دروازے کے باہر ایک سرخ رنگ کا بلب جل رہا تھا۔ ان میں سے ایک نے آگے بڑھ کر دروازے پر لگا ہوا چھوٹا سا بٹن دو بار دبایا اور پیچھے ہٹ کر مؤدبانہ انداز میں کھڑا ہو گیا۔

بٹن دبتے ہی دروازے پر جلتا ہوا سرخ بلب تیزی سے جلنے بجھنے لگا اور پھر وہ سرخ کی بجائے سبز رنگ میں تبدیل ہو گیا اور اس کے ساتھ ہی دروازہ آہستہ آہستہ کھلنے لگا۔

"چلو اندر" ۔۔۔ ٹامی گن بردار نے عمران سے کہا۔

عمران خاموشی سے کمرے میں داخل ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی وہ چاروں ٹامی گن والے بھی اندر داخل ہو گئے۔

یہ ایک خاصا بڑا کمرہ تھا جس میں چاروں طرف دیوار پر بڑی بڑی سکرینیں فٹ تھیں اور کونے میں ایک بہت بڑی میز کے پیچھے ایک قوی ہیکل شخص بیٹھا ہوا تھا۔

اس کے چہرے پر سفید نقاب تھا لیکن سر سے گنجا تھا۔ نقاب میں سے چمکتی ہوئی اس کی نیلی آنکھیں عمران پر مرکوز تھیں۔

"اسلام علیکم جناب باس صاحب!" ۔۔۔۔ عمران نے چہرے پر معصومیت پیدا کرتے ہوئے کہا۔

"تو تمہیں آخر موت کھینچ ہی لائی" ۔۔۔۔ گنجے باس نے کرخت لہجے میں کہا۔

"موت تو نہیں ۔۔۔ البتہ تمہارے اپنے آدمی مجھے لے آئے ہیں" ۔۔۔۔ عمران نے معصومیت سے جواب دیا۔

"میرے آدمی موت کے نمائندے ہیں" ۔۔۔۔ گنجے باس نے زوردار قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

"آپ کے ناخن ہیں" ۔۔۔۔؟ عمران نے اچانک بات پلٹ دی۔

"ہاں ہیں" ۔۔۔۔ باس رو میں بہہ گیا۔ مگر دوسرے لمحے اسے اپنی بات کی مضحکہ خیزی کا احساس ہو گیا۔

"شٹ اپ ۔۔۔ نانسنس بلیڈی فول" ۔۔۔۔ گنجا غصے سے دھاڑا۔

"اسی لیے تو کہتے ہیں کہ خدا گنجے کو ناخن نہ دے" ۔۔۔۔ عمران نے چھینٹا اڑایا۔

"لے جاؤ اسے اور گولی مار کر کہیں چوک پر لاش پھینک دینا" ۔۔۔۔ باس کی غصے کی شدت سے آواز پھٹ گئی۔

اور پھر اس سے پہلے عمران کوئی جواب دیتا۔ کمرے میں گھنٹی بجنے لگی۔ باس چونک پڑا۔ اس نے میز کے کنارے پر لگے ہوئے بے شمار بٹنوں میں سے ایک بٹن دبا دیا اور بائیں سائیڈ کی دیوار پر لگی ہوئی بڑی سی سکرین روشن ہو گئی اور پھر پہاڑی سلسلے کے باہر کا منظر اس میں نظر آنے لگا۔

عمران بھی حیرت سے سکرین پر ابھرنے والا منظر دیکھنے لگا۔ سکرین میں صاف نظر

آ رہا تھا کہ صفدر پہاڑی سلسلے سے مڑ کر واپس جا رہا ہے اور پھر وہ ایک چٹان کی اوٹ
میں بیٹھ گیا لیکن وہ سکرین پر صاف نظر آ رہا تھا۔ باس نے ایک اور بٹن دبایا تو کمرے
میں صفدر کی آواز گونجنے لگی۔

صفدر ایکسٹو کو کال کر رہا تھا۔ پھر تمام گفتگو ہال میں سنائی دینے لگی۔ عمران تلملانے
لگا۔ مجرموں کے وسائل واقعی بہت تھے۔ باس نے میز کی دراز سے ایک مائیک نکالا
اور پھر کسی کو ہدایت دینے لگا۔

" نمبر الیون! ___ پہاڑی سلسلے کے باہر سیکٹر نمبر فور کے پاس ایک آدمی بیٹھا کال
نشر کر رہا ہے۔ اسے بیہوش کر کے میرے پاس لے آؤ" ___ حکم دے کر باس نے
مائیک واپس میز کی دراز میں رکھا اور پھر سکرین کو دیکھنے لگا۔

عمران نے دیکھا کہ صفدر کے قریب ہی ایک چٹان کھلی اور اس میں سے دو آدمی
رائفلیں اٹھائے بڑی آہستگی سے صفدر کی طرف بڑھنے لگے۔ صفدر ٹرانسمیٹر کال میں
متوجہ تھا۔ پھر وہ دونوں آدمی قریب پہنچے تو ایک آدمی نے رائفل اٹھا کر زور سے بٹ
صفدر کے سر پر مارا۔ صفدر تیزی سے مڑا۔ مگر اتنے میں دوسرے نے بھی بٹ مار دیا اور
صفدر ہاتھ پھیلاتے گر پڑا۔ ان دونوں نے اسے اٹھایا اور واپس اسی کھلی ہوئی چٹان کی
طرف مڑ گئے۔

باس نے بٹن بند کر دیا اور سکرین تاریک ہو گئی۔

" تمہارا ساتھی آ رہا ہے اور اس کے بعد تمہارے تمام ساتھی اسی طرح میرے پاس
پہنچ جائیں گے" ___ باس نے قہقہہ لگاتے ہوئے۔

" پھر ہم سب مل کر یہاں بی جمالو کا رقص کریں گے" ___ عمران نے معنی خیز
بات کی۔

" بی جمالو کیا" ___ باس نے چونک کر پوچھا۔

" ہمارا ایک لوک رقص ہوتا ہے" ___ عمران نے کہا۔

اتنے میں دروازہ کھلا اور دو آدمی بیہوش صفدر کو اٹھائے اندر داخل ہوئے۔
اور انہوں نے صفدر کو عمران کے سامنے ڈال دیا۔

" اسے ہوش میں لے آؤ" ___ باس نے حکم دیا۔

ایک آدمی نے جیب سے ایک شیشی نکالی اور اس کا ڈھکن کھول کر شیشی
صفدر کی ناک سے لگا دی۔

صفدر نے کسمسا کر آنکھیں کھول دیں۔

" اٹھ کر کھڑے ہو جاؤ" ___ باس نے حکم دیا۔ اور صفدر خاموشی سے اٹھ کھڑا ہوا۔
اس کے سر میں شدید درد ہو رہا تھا۔

" اس کی تلاشی لے لی ہے" ___؟ باس نے پوچھا۔

" جی ہاں! ___ اس کی جیب سے ایک ریوالور اور چند گولیاں نکلی تھیں وہ سٹور میں
جمع کروا دی گئی ہیں" ___ لے آنے والوں میں سے ایک آدمی نے مؤدبانہ انداز میں
جواب دیا۔

" اس کی گھڑی بھی اتار لو" ___ باس نے حکم دیا۔ اور ان میں سے ایک آدمی نے
آگے بڑھ کر صفدر کے ہاتھ سے گھڑی یعنی واچ ٹرانسمیٹر اتار لیا۔

" باہر جاؤ اور نمبر ٹو سے کہہ دینا کہ ان کے ساتھیوں کو جلد از جلد ہمارے پاس
بھیج دے" ___ باس نے حکم دیا اور وہ دونوں خاموشی سے باہر نکل گئے۔

" یار کرسی منگواؤ ___ میری تو ٹانگوں میں درد ہونے لگا ہے" ___ عمران سے رہا
نہ گیا تو بول پڑا۔

باس ایک لمحے خاموش رہا اور پھر ایک آدمی کو کرسیاں لانے کا حکم دیا۔ اور آدمی
خاموشی سے باہر نکل گیا۔ اور چند لمحے بعد وہ کرسیاں اٹھائے اندر داخل ہوا۔ صفدر اور

عمران ان پر بیٹھ گئے۔

"آخری خواہش سمجھو کر مرنے سے پہلے تو آخری بار کرسی پر بھی بیٹھے تھے"۔۔۔ باس نے مسکرا کر کہا۔

"بڑا اچھا سوچا تم نے ۔۔۔ ورنہ مجھے مرنے کے بعد کرسی پر بیٹھنا پڑتا"۔۔۔ عمران نے اطمینان سے بھرپور لہجے میں کہا۔

باس عمران کا اطمینان دیکھ کر الجھن میں پڑ گیا اور وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کوئی شخص موت کے قریب آ کر بھی یوں اطمینان سے باتیں کر سکتا ہے۔ اسے خیال آیا کہ عمران کو ابھی تک میری طاقت کا اور وسائل کا صحیح اندازہ نہیں ہے چنانچہ اس نے عمران کے سامنے اپنی طاقت کا مظاہرہ کرنا ضروری سمجھا۔ یہ ایک نفسیاتی کمزوری تھی جس سے کوئی بھی فرد خالی نہیں ہوتا۔ ہر طاقتور شخص اپنی طاقت کا مظاہرہ دشمنوں کے سامنے کر کے ہمیشہ اپنے احساس برتری کو تسکین پہنچاتا ہے۔ چنانچہ یہی اس گنجے باس کے ساتھ بھی ہوا۔ اس نے میز کے کنارے پر لگے ہوئے دو بٹن دبائے اور صفدر اور عمران بٹن دبتے ہی یوں ہوا میں اٹھ گئے جیسے کسی غیر مرئی طاقت نے انہیں ہوا میں پکڑ رکھا ہو۔ وہ دونوں بُری طرح ہاتھ پیر مار رہے تھے۔ لیکن کمرے کے عین درمیان میں لٹک رہے تھے۔ باس کے قہقہوں سے کمرہ گونج رہا تھا۔

"یار نیچے اتارو۔۔۔ کیوں سولی پر چڑھا رکھا ہے"۔۔۔ عمران نے باس سے مخاطب ہو کر کہا۔

"نہیں ۔۔۔ تم یونہی ہوا میں لٹکتے رہو گے"۔۔۔ باس نے جواب دیا۔

"تو پھر تھوڑا سا اور اونچا کر دے تاکہ میں چھت پر لگے ہوئے رنگ کو غور سے دیکھ لوں۔ مجھے یہ رنگ بہت پسند آیا ہے۔ میں بھی اپنی کوٹھی کی چھت پر یہی رنگ کراؤں گا"۔۔۔ عمران نے بڑے اطمینان سے چھت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور باس کا چہرہ

بگڑ گیا۔ اس نے یہ حرکت صرف عمران کو مرعوب کرنے کے لیے کی تھی۔ لیکن وہ عمران ہی کیا جو ان بچگانہ شعبدوں سے مرعوب ہو جائے۔

باس نے جھنجھلا کر بٹن آف کر دیئے اور دونوں ایک جھٹکے سے نیچے آ گرے۔ صفدر نے تو اٹھنے میں پھر بھی دیر لگائی۔ لیکن عمران ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا اور پھر یوں اطمینان سے کپڑے جھاڑنے لگا۔ جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ باس کی آنکھیں جھنجھلاہٹ اور غصے سے سرخ ہو گئیں۔

بلیک زیرو نے صفدر کی کال ملتے ہی جولیا کو ٹیلیفون کیا۔

"جولیا سپیکنگ"۔۔۔ رابطہ قائم ہوتے ہی جولیا کی آواز آئی۔

"ایکسٹو"۔۔۔ بلیک زیرو نے کہا۔

"یس سر"۔۔۔ جولیا کا لہجہ بے حد مؤدبانہ تھا۔

"جولیا۔۔۔ صفدر اور کیپٹن شکیل کے علاوہ باقی تمام ممبروں کو آرڈر دے دو کہ وہ فوراً مسلح ہو کر شہر سے بیس میل دور پہاڑی سلسلے کے پاس پہنچ جائیں۔ وہاں صفدر موجود ہوگا۔۔۔ الو کی آواز کا سگنل کوڈ ہے۔۔۔ وہ صفدر کی قیادت میں اس پہاڑی میں مجرموں کے اڈے کے اندر جائیں۔ عمران بھی وہاں موجود ہے۔۔۔ میں آج مجرموں کو ہر حالت میں گرفتار دیکھنا چاہتا ہوں"۔۔۔ بلیک زیرو نے حکم دیتے ہوئے کہا۔

"او کے سر۔۔۔ لیکن میرے متعلق کیا حکم ہے"۔۔۔؟ جولیا نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

"تمہارا وہاں جانا ضروری نہیں ___ تم یہیں رہو" ___ بلیک زیرو نے سخت لہجے میں جواب دیا اور پھر رسیور رکھ دیا۔

چند منٹ ٹھہر کر بلیک زیرو نے پھر ٹیلیفون کے نمبر ڈائل کرنے شروع کیے۔ اور دوسرے لمحے رابطہ مل گیا۔

"کمانڈر اسلم سے رابطہ ملاؤ" ___ بلیک زیرو نے قدرے سخت لہجے میں کہا۔

"کون صاحب ہیں ___؟" دوسری طرف سے شاید ملٹری ایکس چینج آپریٹر تھا۔

"ایکسٹو" ___ بلیک زیرو نے کہا۔

"ہولڈ آن سر فار دن منٹ" ___ آپریٹر نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا اور بلیک زیرو مسکرا دیا۔

"یس ___ کمانڈر اسلم سپیکنگ" ___ دوسری طرف سے ایک پُروقار آواز سنائی دی۔

"ایکسٹو" ___ بلیک زیرو نے مختصر جواب دیا۔

"فرمایئے" ___ کمانڈر اسلم نے لاپرواہی سے جواب دیا۔

"کمانڈر اسلم! ___ اپنا لہجہ درست کرو ___ تم نہیں جانتے کہ میں کون بول رہا ہوں"۔ بلیک زیرو کو کمانڈر کے لاپرواہ لہجے پر غصہ آگیا۔

"جانتا ہوں ___ لیکن شاید آپ کو یاد نہیں رہا کہ آپ استعفیٰ دے چکے ہیں" ___ کمانڈر اسلم نے اسی لہجے میں جواب دیا۔

"اوہ! ___ تو یہ بات ہے" ___ ایکسٹو غرایا ___ "وہ تو مجرموں کی نظروں میں دھول جھونکنے کی ایک کاروائی تھی۔ بہرحال تم ڈائریکٹ صدر مملکت کو فون کر کے انفارمیشن لے لو ___ میں دس منٹ بعد ٹیلیفون کروں گا" ___ بلیک زیرو نے رسیور رکھ دیا اور اٹھ کر ٹہلنے لگا۔ اس کے چہرے پر الجھن کے تاثرات تھے۔ دس منٹ بعد اس نے دوبارہ

نمبر ڈائل کیے۔

"کمانڈر اسلم سے رابطہ ملاؤ" ___ بلیک زیرو غرایا۔

"کمانڈر اسلم سپیکنگ" ___ دوسری طرف سے کمانڈر اسلم کی آواز سنائی دی۔

"ایکسٹو" ___ بلیک زیرو غرایا۔

"یس سر ___ حکم فرمایئے جناب" ___ کمانڈر اسلم کی گھبرائی ہوئی آواز آئی۔

"تسلی ہو گئی آپ کی" ___ بلیک زیرو نے ترش لہجے میں پوچھا۔

"میں معافی چاہتا ہوں جناب" ___ کمانڈر اسلم نے ندامت آمیز لہجے میں کہا۔

"او کے ___ ایسا کرو۔ ایک یونٹ جو پوری طرح مسلح ہو۔ دارالحکومت سے بیس میل دور موجود پہاڑی سلسلے کے گرد پھیلا دو۔ ان کی کمانڈ تم خود کرنا اور دیکھو، کارروائی خفیہ ہو ___ میں ٹرانسمیٹر لائن نمبر چھ پر جب تمہیں کاشن دوں، تم محاصرہ تنگ کر دینا اور اگر کوئی شخص فرار ہونے کی کوشش کرے تو گولی مار دینا" ___ بلیک زیرو نے تفصیل بتاتے ہوئے حکم دیا۔

"بہت بہتر جناب! ___ لیکن کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ ان پہاڑیوں میں کیا ہے؟" کمانڈر اسلم کی حیرت زدہ آواز سنائی دی۔

"ان پہاڑیوں میں ان مجرموں کا اڈہ ہے جنہوں نے آج رات بارہ بجے دارالحکومت کو تباہ کرنے کی دھمکی دی ہے" ___ بلیک زیرو نے بتلایا۔

"اوہ! ___ تو اس کا مطلب ہے کہ معاملہ بہت سیریس ہے" ___ کمانڈر اسلم نے کہا۔

"ہاں! ___ پوری طرح ہوشیار رہنا" ___ بلیک زیرو نے کہا۔

"بے فکر رہیں جناب" ___ کمانڈر اسلم نے کہا۔

"او کے" ___ بلیک زیرو نے کہا اور رسیور رکھ دیا۔ پھر اٹھ کر کپڑے تبدیل کرنے

شروع کر دیئے۔ اس نے چست سیاہ لباس زیب تن کیا۔ الماری سے نقاب نکال کر جیب میں ڈالی اور پھر دو ریوالور اور ایک مشین گن بھی اٹھالی۔ مشین گن کے پارٹس اس نے کپڑوں کے اندر بیلٹ سے کس لیے۔ پھر وہ کمرے سے باہر جانے لگا کہ اچانک اُسے ایک خیال آگیا۔ ایک لمحے تک وہ وہاں کھڑا سوچتا رہا۔ پھر تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا دوبارہ فون کی طرف بڑھا۔ اس نے رسیور اٹھایا اور پھر نمبر ڈائل کرنے شروع کر دیئے اور کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔ جلد ہی رابطہ مل گیا۔

"ایئر مارشل سے کنکٹ کراؤ"۔۔۔ بلیک زیرو نے حکم دیا۔

"ہُو از سپیکنگ"۔۔۔ آپریٹر نے پوچھا۔

"ایکسٹو"۔۔۔ بلیک زیرو نے جواب دیا۔

"ون منٹ سر"۔۔۔ آپریٹر نے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔

"صفدر سپیکنگ"۔۔۔ دوسری طرف سے ایئر مارشل صفدر کی پُروقار آواز سنائی دی۔

"ایکسٹو دس اینڈ"۔۔۔ بلیک زیرو نے پُراعتماد لہجے میں جواب دیا۔

"یس فرمایئے"۔۔۔ ایئر مارشل کی آواز میں نرمی تھی۔

"مجھے دو بمبار اور دو فائٹر جہاز درکار ہیں"۔۔۔ ایکسٹو نے کہا۔

"مل جائیں گے۔۔۔ مگر آپریشن کہاں ہوگا"۔۔۔؟ ایئر مارشل نے پوچھا۔

"دارالحکومت سے بیس میل دور پہاڑی سلسلے پر"۔۔۔ بلیک زیرو نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

"او کے۔۔۔ کس وقت بھیجوں"۔۔۔؟ ایئر مارشل نے پوچھا۔

"آپ انہیں الرٹ رہنے کا حکم دے دیں۔ میں ٹرانسمیٹر فریکوینسی نمبر ون پر خود انہیں کنٹرول کروں گا"۔۔۔ بلیک زیرو نے جواب دیا۔

"او کے۔۔۔ میں ابھی احکام جاری کر دیتا ہوں"۔۔۔ ایئر مارشل نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

"تھینک یو۔۔۔ گڈ بائی"۔۔۔ بلیک زیرو نے رسیور رکھ دیا اور پھر وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا آپریشن روم سے باہر نکل گیا۔

اس سے پہلے کہ باس غصے اور جھنجھلاہٹ میں کوئی اور طاقت کا مظاہرہ کرتا کمرہ تیز گھنٹی کی آواز سے گونج اٹھا۔ باس چونکا اور پھر اس نے میز کے کنارے پر لگا ہوا بٹن دبا دیا۔ پہلی والی سکرین دوبارہ روشن ہوگئی۔

سکرین پر چار آدمی رینگتے ہوئے پہاڑی سلسلے کی طرف آرہے ہیں۔ چاروں نے سیاہ لباس پہنے ہوئے تھے۔ اور انہوں نے منہ پر نقاب لگائے ہوئے تھے اسلیئے اندھیرے میں سائے ہی محسوس ہو رہے تھے۔

عمران اور صفدر سمجھ گئے کہ ان کے ساتھی آرہے ہیں۔ پہاڑی سلسلے کے قریب آکر وہ چاروں رک گئے اور پھر کمرے میں الو کی کرخت آواز گونجی۔ وہ صفدر کو سگنل دے رہے تھے۔ اور پھر پہاڑی کی ایک چٹان سے جواباً بھی الو کی آواز میں سگنل دیا گیا صفدر نے دانت بھینچ لیے۔ مگر عمران بڑی دلچسپی سے یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ جیسے وہ بڑی دلچسپی سے فلم دیکھ رہا ہو۔

جواباً سگنل ملتے ہی وہ چاروں سائے تیزی سے اس چٹان کی طرف بڑھنے لگے

جہاں سے سگنل کا جواب ملا تھا۔ چٹان کے قریب آکر وہ رک گئے۔ یہ چٹان پہاڑی درے کے اندر واقع تھی۔ پھر انہوں نے چٹان کے پیچھے دیکھا لیکن وہاں انہیں کوئی بھی نظر نہ آیا۔

اچانک ان کے سروں پر ایک چٹان بے آواز طریقے سے ہٹ گئی اور دوسرے لمحے وہ چاروں ایک مضبوط جال میں لپٹ گئے۔ انہوں نے کافی ہاتھ پاؤں مارے لیکن جال کی الجھی ہوئی ڈوریوں سے نہ نکل سکے۔ اسی لمحے نہ جانے کہاں سے بہت سے لوگوں نے ہاتھوں میں مشین گنیں پکڑے انہیں چاروں طرف سے گھیر لیا۔ اور پھر وہ جال اوپر اٹھنے لگا۔ اور اس جگہ میں جاکر غائب ہوگیا جہاں سے وہ جال پھینکا گیا تھا بے بس پرندوں کی طرح وہ چاروں ساتھی بھی جال کے ساتھ ہی پہاڑی میں غائب ہو گئے۔

باس نے ایک زوردار قہقہہ لگایا اور پھر بٹن دبا کر سکرین تاریک کر دی۔

" کیوں — کیسا رہا" — ؟ باس نے خوشی سے چمکتی ہوئی نظروں سے عمران سے پوچھا۔

" بڑی اچھی اور دلچسپ فلم تھی" — عمران نے جواباً تالیاں بجاتے ہوئے کہا۔

" فلم — یہ فلم نہیں حقیقت تھی دوست — اور ابھی یہ تمہارے چاروں ساتھی اسی کمرے میں پہنچ جائیں گے" — باس نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

" یہ بھی اچھا ہے — ہم سب مل کر قوالی گائیں گے اور تم ہال کھیلنا" — عمران نے جواب دیا۔

" ہال کھیلنا — کیا مطلب" — ؟ گنجا باس سمجھ نہ سکا۔

" ہال کھیلنے کا مطلب یہ ہے کہ مستی میں رقص کرنا — زخمی کی طرح تڑپنا — اتنا تڑپنا کہ تمہاری روح عالم بالا کی طرف پرواز کر جائے — کیا سمجھے" — عمران نے

اُسے تفصیل بتلاتے ہوئے کہا۔

" اوہ — اس کا مطلب ہے کہ تم مجھے دھمکی دے رہے ہو" — باس کی آنکھیں سرخ ہونے لگیں۔

" ارے توبہ توبہ — بھلا میں فقیر پُرتقصیر بندۂ نادان تمہیں دھمکی دے سکتا ہے" — عمران نے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا۔

" ہوں" — باس نے کہا۔

ایک لمحے خاموشی رہی۔ پھر دروازہ کھلا اور وہ چاروں نقاب پوش جن کے ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے۔ مشین گنوں کے زور پر کمرے میں داخل ہوئے۔

" ان کے نقاب اتار دو" — باس نے حکم دیا اور پھر ان چاروں کے نقاب اتار دیئے گئے۔

عمران اور صفدر نے اطمینان کی ایک طویل سانس لی۔ کیونکہ وہ چاروں میک اپ میں تھے۔

" ہاں — اب بتاؤ عمران — تم اور تمہارے ساتھیوں سے کیا سلوک کیا جائے" ؟ باس نے پوچھا۔

" انہیں ٹھنڈا پانی پلایا جائے اور پھر انہیں کرسیوں پر بٹھا کر ان سے پوچھا جائے اور سناؤ کیا حال چال ہیں — کب آئے — کیسے آمد ہوئی — میرے لائق کوئی خدمت" — عمران نے باقاعدہ تجویز پیش کی۔

باس نے جواب دینا چاہا لیکن پھر میز پر پڑے ہوئے ٹرانسمیٹر کا بلب تیزی سے جلنے بجھنے لگا۔ باس نے بٹن دبا کر کہا۔

" ہُواز سپیکنگ" — ؟

" باس — فائنل آپریشن میں صرف آدھا گھنٹہ رہ گیا ہے" — دوسری طرف سے

آواز آئی ۔

"اچھا میں وہیں آتا ہوں" ـــــ باس نے کہا اور پھر ٹرانسمیٹر بند کر دیا ۔

"ان سب کو ۔ دم نمبر فائیو میں بند کر دو ـــــ عمران ! تم میرے ساتھ چلو ۔ میں تمہیں دکھاؤں کہ دارالحکومت کیسے تباہ ہوتا ہے" ـــــ باس نے کہا ۔

عمران کے علاوہ باقی سب کو وہاں سے لے جایا گیا اور پھر عمران کی پشت سے بھی مشین گن کی نال لگا دی گئی اور پھر وہ باس کے پیچھے چلتا ہوا ایک بہت بڑے ہال میں پہنچ گیا ۔

یہاں ایک دیوہیکل مشین لگی ہوئی تھی جس پر ہزاروں کی تعداد میں ڈائل اور بلب تھے ۔ اس ساری مشین کے سامنے صرف ایک آدمی بیٹھا ہوا تھا جو باس کے آتے ہی مؤدبانہ طور پر ایک طرف ہٹ گیا ۔

"سب علاقے ٹارگٹ پر سیٹ کر لیے ہیں نمبر الیون" ـــــ ؟ باس نے پوچھا ۔

"یس سر" ـــــ نمبر الیون نے جواب دیا ۔

عمران سوچنے لگا کہ اب اُسے سنجیدگی سے سوچنا پڑے گا کہ کس طرح اس اڈے کو تباہ کیا جا سکتا ہے ۔ کیونکہ اگر اس کی آنکھوں کے سامنے دارالحکومت تباہ کر دیا گیا تو اس کے لیے موت کے مترادف ہوگا ۔ وہ باس سے نپٹنے کی ترکیب پر غور کرنے لگا ۔ لیکن ہال میں اس وقت بھی چار آدمی مشین گنیں لیے کھڑے تھے ۔ وہ خاموشی سے کھڑا سوچتا رہا اور وقت گذرتا چلا گیا ۔

"اب صرف دس منٹ رہ گئے ہیں باس" ـــــ نمبر الیون نے باس سے مخاطب ہو کر کہا ۔

"ٹھیک ہے ـــــ مائیک پر نمبر گننے شروع کر دو" ـــــ باس نے کہا اور نمبر الیون نے ایک بٹن دبا کر مشین چلا دی ۔ دیوہیکل مشین کے چلنے سے بے پناہ گڑگڑاہٹ کی

آوازیں نکلنے لگیں ۔ ہزاروں کی تعداد میں بلب جلنے بجھنے لگے اور نمبر الیون نے مائیک سنبھال کر عوام کو خبردار کرنا شروع کر دیا ۔

باس نے ایک بٹن دبایا تو سامنے سکرین پر شہر کے مختلف حصے ابھرنے لگے تمام دارالحکومت میں بھاگ دوڑ مچی ہوئی تھی ۔ ایک عجیب افراتفری کا عالم تھا ۔ لوگ خوف سے چیخنے لگے تھے ۔ پولیس اور ملٹری کی گاڑیاں سڑکوں پر دوڑ رہی تھیں ۔ اور نمبر الیون مائیک پر باقاعدہ منٹ گن رہا تھا ۔

بلیک زیرو جب پہاڑی سلسلے کے قریب پہنچا تو اس نے ٹرانسمیٹر پر صفدر وغیرہ سے رابطہ قائم کرنا چاہا لیکن کوئی جواب نہ ملا ۔ اس نے اندھیرے میں دیکھنے والی اٹمی دوربین سے پہاڑی سلسلے کو چیک کرنا شروع کیا ۔ لیکن اس کے ساتھیوں میں سے کوئی بھی اُسے نظر نہ آیا ۔

بلیک زیرو اس وقت پہاڑی سلسلے سے کافی دور موجود تھا ۔ ملٹری یونٹ نے پہاڑی سلسلے کو دور سے گھیر رکھا تھا اور اب وہ بلیک زیرو کے سگنل کے انتظار میں تھا ۔ اب بلیک زیرو سمجھ گیا کہ تمام ممبرز پکڑے جا چکے ہیں ۔ وہ اندازہ لگا رہا تھا کہ تمام کے تمام ممبرز کیسے پکڑے گئے ۔ پھر اُسے یقین کرنا پڑا کہ مجرموں نے ٹیلیویژن کا سلسلہ لگا رکھا ہے اور پہاڑی کے باہر کے منظر پر نظر رکھتے ہوں گے ۔ یہ ایک خطرناک مرحلہ تھا کیونکہ وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ پہاڑی کے کون کون سے حصے مجرموں کی نظروں میں ہے ۔ وہ

چند لمحے تک سوچتا رہا۔ پھر اس نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی دُور مار رائفل اٹھائی اور ویسے ہی ایک گولی پہاڑی کی طرف داغ دی۔ رائفل پر ڈبل سائلنسر چڑھا ہوا تھا اس لیے قطعی آواز پیدا نہ ہوئی اور گولی روشنی کی ایک پتلی سی لکیر بناتی ہوئی پہاڑی کی ایک چٹان کا ٹکڑا اڑا گئی۔ جس سے ایک ہلکا سا دھماکہ ہوا تھا۔ وہ خاموشی سے بیٹھ کر اس کا ردعمل دیکھنے لگا۔ دُوربین اس کی آنکھوں سے لگی ہوئی تھی۔ وہ لغور چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ دو تین منٹ تک کچھ نہ ہوا۔ بلیک زیرو مایوس ہونے لگا مگر اچانک اس کی نظریں چمکنے لگیں۔ اسے ایک چٹان پھٹتی ہوئی نظر آئی اور پھر اس میں سے تین آدمی ہاتھوں میں مشین گنیں اٹھائے باہر نکلتے نظر آئے۔ وہ سیدھے اس چٹان کی طرف آئے جہاں گولی لگی تھی۔ وہ کافی دیر تک اُسے لغور دیکھتے رہے پھر انہوں نے چاروں طرف گھوم پھر کر دیکھا لیکن کوئی نشان نہ دیکھ کر وہ دوبارہ اس چٹان کی طرف بڑھے جہاں سے وہ برآمد ہوئے تھے۔ چٹان دوبارہ برابر ہو چکی تھی۔ اور بلیک زیرو کی نظریں ان پر لگی ہوئی تھیں۔ چٹان کے قریب پہنچ کر ان میں سے ایک نے چٹان کے نیچے ہاتھ ڈالا اور پھر ایک اُبھرے ہوئے پتھر کو بائیں طرف کھینچا۔ چٹان دوبارہ پھٹ گئی۔ اور وہ تینوں اندر داخل ہو گئے۔ چٹان پھر مل گئی۔ بلیک زیرو نے ایک لمحے تک کچھ سوچا۔ پھر وہ آہستہ آہستہ اس چٹان کی طرف بڑھنے لگا۔ اس کی نظریں چاروں طرف گھوم رہی تھیں۔ وہ بے حد محتاط تھا۔ اس چٹان کے قریب پہنچ کر وہ رک گیا اور انتظار کرنے لگا کہ کوئی شخص باہر نکلے۔ اور پھر اس کا اندازہ صحیح نکلا۔ وہی چٹان دوبارہ پھٹی اور اس میں سے تین آدمی آہستہ سے باہر نکلے اور بلیک زیرو کی طرف بڑھنے لگے۔ بلیک زیرو نے جان بوجھ کر اس چٹان کی طرف پشت کی ہوئی تھی۔ وہ تینوں آہستہ آہستہ بلیک زیرو کی طرف بڑھتے رہے۔ اسی لمحے اچانک بلیک زیرو پلٹا اور پھر اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتے بلیک زیرو تقریباً اڑتا ہوا ان پر جا پڑا۔ بلیک زیرو قطعی دیر نہیں لگانا چاہتا تھا چنانچہ

نج ہاتھوں میں ہی وہ تینوں ڈھیر ہو گئے۔ ان کے چہروں پر نقاب لگے ہوئے تھے اور ن پر مخصوص نشان بنے ہوئے تھے۔ بلیک زیرو نے ہاتھ بڑھا کر ان میں سے ایک کا نقاب اتارا اور پھر اپنا نقاب اتار کر اس کا نقاب پہن لیا۔ پھر رینگتا ہوا واپس چٹان کی طرف بڑھا۔ چٹان کے قریب پہنچ کر اس نے وہی عمل دہرایا جو اس نے دوربین سے دیکھا تھا۔ چٹان پھٹ گئی اور وہ اس میں رینگ گیا۔

صفدر اور دیگر تمام ساتھیوں کو ایک بہت بڑے کمرے میں بند کر دیا گیا۔ کمرہ ہر قسم کے ساز و سامان سے خالی تھا۔

"یار اب کسی صورت میں یہاں سے نکلنا چاہیئے ــــ ورنہ بے موت مارے جائیں گے" ــــ صفدر نے کہا۔

"ہاں ٹھیک ہے" ــــ تنویر نے جواب دیا۔

صفدر نے لغور دروازے کی طرف دیکھا۔ دروازہ فولاد کا تھا۔

"تیار ہو جاؤ ــــ میں چوکیدار کو اندر بلاتا ہوں" ــــ صفدر نے کہا اور وہ سب مسکرا دیئے کیونکہ وہ اس ترکیب کو اچھی طرح جانتے تھے۔

صفدر دروازے کے قریب رک کر منہ سے ایسی آوازیں نکالنے لگا۔ جیسے دیوار کو کسی آلے سے کھودا جا رہا ہو۔ ظاہر ہے باہر کھڑا دربان یہ کیسے برداشت کر سکتا تھا کہ مجرم دیوار کھود کر باہر نکل جائیں۔ چنانچہ نتیجہ ان کی مرضی کے مطابق ہوا۔ اور

دروازہ کھلا اور دو آدمی ہاتھوں میں مشین گنیں اٹھائے اندر داخل ہوئے۔ اور ان سب نے مل کر اس پر حملہ کر دیا اور ان دونوں کو ڈھیر کر دیا۔ انہوں نے ان دونوں کے گلے دبا دیے۔ پھر وہ سب کمرے سے باہر نکل آئے۔ مشین گن ایک صفدر نے اپنے پاس رکھی اور دوسری خاور کے ہاتھ میں دے دی۔

کمرے سے باہر ایک گیلری تھی۔ اب وہ سارے تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے ادھر بڑھے جہاں باس کا خاص کمرہ تھا۔ اور جہاں سے انہیں لے آ کر اس کمرے میں بند کر دیا گیا تھا۔ راستہ وہ جانتے تھے۔ گیلری میں ان کا ٹکراؤ کسی سے نہیں ہوا اور وہ اس مخصوص کمرے کے سامنے جاکر رک گئے۔ دروازہ بند تھا۔

صفدر نے مشین گن کا رخ دروازے کی طرف کیا اور پھر ٹریگر دبا دیا دوسرے لمحے دروازے کا لاک ٹوٹ گیا۔ اُسی لمحے چاروں طرف سے گھنٹیوں کی تیز آوازیں آنے لگیں۔ شائد یہ خطرے کا الارم تھا۔ صفدر دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا وہ سیدھا اس میز کی طرف بڑھا جہاں باس بیٹھا تھا۔ اور پھر اس نے میز پر لگے ہوئے مختلف بٹن دبانے شروع کر دیے۔ تمام سکرینیں روشن ہو گئیں۔ اب اڈے کا ہر پہلو ان کی نظروں میں تھا۔

اچانک گیلری میں جوتوں کی آواز آئی اور پھر خاور نے دروازے کی اوٹ سے فائرنگ شروع کر دی۔

صفدر نے ایک سکرین میں ایک دیوہیکل مشین دیکھی جس کے سامنے باس موجود تھا اور بالکل عمران کھڑا تھا۔ اسی لمحے ایک زوردار دھماکہ ہوا اور تمام سکرین تاریک ہو گئیں۔ فائرنگ بدستور جاری تھی۔ اس دھماکے سے کمرہ ہل گیا تھا۔ تمام ممبرز بھی بوکھلا گئے۔ شائد کمرے پر بم مارا گیا تھا۔

اسی لمحے صفدر کی نظر میز کے دوسرے کنارے پر لگے ہوئے ایک سرخ بٹن پر

پڑ گئی۔ اس نے اُسے دبا دیا۔ بٹن کے دبتے ہی پیچھے کی دیوار ایک طرف ہٹ گئی۔ اب وہاں ایک اور کمرہ تھا۔

" اس کمرے میں آجاؤ "۔۔۔۔ صفدر چیخا اور وہ تمام بھاگ کر اس میں آ گئے اور دیوار دوبارہ برابر ہو گئی۔

دوسرے کمرے سے نکل کر وہ ایک راہداری میں بھاگنے لگے۔ کمرے میں بیشمار اسلحہ موجود تھا۔ اس لیے سب نے مشین گنیں اٹھا لیں۔ گیلری سے بھاگتے ہوئے وہ ایک ہال میں جا پہنچے۔ اُسی لمحے ان پر گولیوں کی بوچھاڑ ہو گئی۔ ایک نقاب پوش اوٹ سے ان پر گولیاں چلا رہا تھا۔ وہ تمام اوٹ میں ہو گئے۔ دوسرے لمحے صفدر کی مشین گن سے گولیاں نکلیں مگر نقاب پوش ہٹ چکا تھا۔ اور پھر ایک آواز گونجی۔

" صفدر۔ یہ تم ہو "

اور پھر سب اس آواز پر یوں بری طرح اچھلے جیسے انہیں کسی بچھو نے کاٹ لیا ہو۔ یہ آواز ایکسٹو کی تھی۔ وہ نقاب پوش یقیناً ایکسٹو تھا۔ اور پھر وہ نقاب پوش سامنے آ گیا۔

بلیک زیرو چٹان میں رینگا تو اچانک اس کے سینے سے ایک رائفل ٹک گئی۔

"کوڈ۔۔۔۔ ؟" ایک قوی ہیکل نوجوان نے پوچھا۔

مگر بلیک زیرو نے کوڈ بتانے کی بجائے اچانک پھرتی سے اچھل کر اس کی

ناک پر ٹکر ماری۔ وہ ڈگراتا ہوا نیچے گرا۔ دوسرے لمحے بلیک زیرو نے مشین گن کے بٹ مار کر اس کا سر پھاڑ دیا اور وہ بیہوش ہو گیا۔ اور پھر بلیک زیرو آگے بڑھنے لگا۔ جلد ہی وہ ایک کمرے میں پہنچ گیا جہاں چار نقاب پوش موجود تھے۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی بلیک زیرو نے مشین گن کا ٹریگر دبا دیا اور چاروں کے جسموں میں بے شمار سوراخ ہو گئے۔

اب وہ اس کمرے سے ملحقہ ایک ہال کی طرف بڑھنے لگا کہ اسے پانچ آدمی بھاگتے ہوئے اس ہال کی طرف جاتے نظر آئے۔ اس نے اوٹ میں ہو کر ٹریگر دبا دیا اور وہ پانچوں بھی اوٹ میں ہو گئے اور اب اس پر بھی مشین گنوں کی بوچھاڑ ہو گئی۔ مگر اسے گولیوں سے نکلنے والے شعلوں کی روشنی میں صفدر کی شکل نظر آ گئی۔ اور اس نے آواز دی۔

"صفدر۔ یہ تم ہو۔"

اور وہ سارے اوٹ سے نکل کر سامنے آ گئے۔ بلیک زیرو بھی آگے بڑھ گیا۔

"اس ہال میں گھس جاؤ —— جو بھی شخص ملے بھون دو" —— بلیک زیرو نے کہا اور پھر وہ سب ہال کا دروازہ توڑ کر اندر گھس گئے۔ ہال شاید ساؤنڈ پروف تھا۔ اس لیے باہر چلنے والی گولیوں کی آوازیں ہال میں موجود لوگوں نے نہیں سنیں۔

دروازہ ٹوٹتے ہی صفدر اور اس کے ساتھیوں نے مشین گنوں کے ٹریگر دبا دیئے۔ ہال چیخوں سے گونج اٹھا۔ اور وہ سب ہال میں ایک جھٹکے سے داخل ہو گئے۔ ہال میں عجیب و غریب قسم کی مشینیں لگی ہوئی تھیں۔

"مشینیں توڑ دو" —— بلیک زیرو نے کہا۔

اور پھر ان سب کی مشین گنوں کے رخ مشینوں کی طرف ہو گئے۔ دوسرے لمحے زوردار دھماکے ہوئے اور چلتی ہوئی مشینیں رک گئیں۔ اس وقت ہر طرف اندھیرا

چھا گیا۔ شاید یہ پاور پلانٹ تھا۔ اور اس پلانٹ سے بجلی تمام اڈے کی مشینوں کو سپلائی کی جاتی تھی۔

وہ سب اندھیرے میں بھاگتے ہوئے باہر دروازے کی طرف بڑھے۔ اسی لمحے چاروں طرف سے گولیاں چلنے لگیں۔ اندھیرے میں ایک خطرناک جنگ شروع ہو گئی ہاتھ کو ہاتھ دکھائی نہیں دیتا تھا۔

گولیوں کی آوازوں کے ساتھ ساتھ چیخیں ابھر رہی تھیں۔ نجانے کون مر رہے تھے۔ کون زخمی ہو رہے تھے؟

عمران بے بس کھڑا دیکھ رہا تھا۔ چار مشین گنیں اس کی طرف اٹھی ہوئی تھیں اور وہ گنجا باس اس ہولناک مشین کی طرف پوری طرح متوجہ تھا۔ مشین پر لگی ہوئی بہت بڑی سکرین پر دارالحکومت کے مختلف مناظر تیزی سے ابھرتے اور تبدیل ہوتے چلے جا رہے تھے۔

تمام شہر خوف و ہراس میں ڈوبا ہوا تھا۔ شہر سے باہر جانے والی سڑکوں پہ بے تحاشہ ہجوم تھا۔ ہجوم کی وجہ سے خوفناک حادثے ہو رہے تھے۔ لوگ ایک دوسرے کے پیروں کے نیچے روندے جا رہے تھے۔

عمران سوچ رہا تھا کہ بلیک زیرو، صفدر اور اس کے دوسرے ساتھی کیا کر رہے ہیں —— ؟ اور پھر نمبر الیون مانیک پر نمبر گنتے گنتے وَن پر آ پہنچا۔ گنجے باس کی آنکھیں

چمک رہی تھیں۔ اس کی آنکھوں میں شیطان ناچ رہا تھا۔ تباہی و بربادی ناچ رہی تھی پھر نمبر الیون نے زیرو کہا اور گنجے باس نے مشین پر لگا ہوا ایک بٹن دبا دیا۔

بٹن دبتے ہی سکرین پر چلتا ہوا منظر رک گیا۔ یہ دارالحکومت کا شمالی حصہ تھا جہاں بہت بڑی بڑی کوٹھیاں قطار در قطار موجود تھیں۔

اور پھر گنجے باس نے ایک اور بٹن دبا دیا۔ مشین کی گڑگڑاہٹ میں خوفناک اضافہ ہوا اور پھر سکرین پر اچانک بجلیاں سی چمکنے لگیں اور ایک خوفناک دھماکہ ہوا اور تقریباً دس میل کا علاقہ گرد کے طوفان میں پھنس گیا۔ دس میل کا علاقہ تباہ و برباد ہو چکا تھا۔ دارالحکومت کی مکمل تباہی کا آغاز ہو چکا تھا۔

اب سب کچھ عمران کی قوت برداشت سے باہر ہو گیا۔ اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ اسے وہ مشینیں کھلونے نظر آنے لگیں۔ اور پھر اس سے پہلے کہ باس کوئی اور بٹن دباتا۔ عمران اچانک اپنی جگہ سے اچھلا اور بجلی کی طرح گنجے پر جا پڑا۔ اس کے اچھلتے ہی چاروں مشین گنیں چلیں مگر نشانے خالی گئے۔ نمبر الیون نے مڑنا چاہا مگر گنجے پر گرتے گرتے عمران کی زوردار لات نمبر الیون کے پیٹ پر پڑی اور وہ کراہتا ہوا دوسری طرف جا گرا۔ یہ وہ لمحہ تھا جب مشین گنیں چلی تھیں اور نمبر الیون ان کی زد میں آ گیا۔ اس کے جسم میں بے شمار گولیاں سوراخ کر گئیں۔

گنجا باس دھکے سے ایک طرف گرا اور اس کے ساتھ ہی عمران بھی اس کے سر سے ہوتا ہوا اس کی دوسری طرف جا گرا۔ گنجے نے اٹھنے میں پھرتی دکھائی مگر یہ پھرتی عمران کے حق میں بہتر ثابت ہوئی۔ کیونکہ جیسے ہی وہ اٹھا۔ عمران اس کی پشت پر آ گیا۔ اس نے ایک بازو گنجے کی گردن میں ڈالا اور دوسرے سے اس کی کمر پکڑ لی۔ اب مشین گنوں والے بے بس ہو گئے۔ کیونکہ وہ اگر گولی چلاتے تو گولیاں سیدھی ان کے باس کے جسم میں گھس جاتیں۔

"ان کو کہو مشین گنیں پھینک دیں۔ ورنہ میں تمہاری گردن توڑ دوں گا"۔۔۔ عمران بھیانک لہجے میں غرایا اور گردن والے بازو کو جھٹکا دیا۔ کڑکڑ کی آواز آئی اور گنجے کے منہ سے غراہٹ کی آواز نکلی جیسے وہ مر رہا ہو۔ لیکن عمران جانتا تھا کہ وہ اتنی جلدی نہیں مر سکتا۔

"پھینک دو مشین گنیں پھینک دو"۔۔۔ گنجا باس بھنچی بھنچی آواز میں چلایا۔ گنجے نے عمران کو جھٹکا دے کر آگے پھینکنے کی بے حد کوشش کی لیکن عمران کے سر پر وحشت سوار تھی۔ عمران کو بھی اندازہ ہو گیا تھا کہ گنجا اپنے جسم میں گینڈے جیسی طاقت رکھتا ہے لیکن یہاں سوال تھا پورے دارالحکومت کی زندگی اور موت کا۔ اس لیے عمران اپنی پوری طاقت کے ساتھ گنجے کے ساتھ چمٹا ہوا تھا۔ اور گنجا بے بس ہو کر رہ گیا تھا۔

چاروں محافظوں نے مشین گنیں پھینک دیں۔

"باہر نکل جاؤ ورنہ"۔۔۔ عمران نے خوفناک لہجے میں کہا اور ساتھ ہی گنجے کی گردن کو ایک اور جھٹکا دیا

"نکلو"۔۔۔ گنجا چیخا۔

وہ چاروں تیزی سے باہر نکل گئے۔

عمران نے گنجے کو دھکا دے کر آگے کی طرف پھینک دیا اور پھر خود بھی اچھل کر ایک مشین گن پر جا پڑا۔ اور پھر جیسے ہی وہ مشین گن اٹھا کر مڑا۔ اس نے گنجے کو ایک دیوار میں غائب ہوتے دیکھا۔ گنجا شاید کسی خاص میکنزم سے دیوار میں خلا بنا چکا تھا۔ اس نے فائرنگ کی مگر گنجا غائب ہو گیا تھا۔

عمران پھرتی سے مشین کی طرف بڑھا اور پھر اس نے ایک بٹن دبا کر مائیک سنبھال لیا۔ وہ کافی دیر تک اُسے آپریٹ ہوتا دیکھ چکا تھا۔ اس لیے وہ اس کی درنگ

سمجھ گیا تھا۔ اس نے تیزی سے مائیک منہ سے لگایا اور پھر سکرین پر نظریں جما دیں
اب سکرین پر منظر تبدیل ہو رہے تھے۔ تمام شہر بُری طرح خوف زدہ اور پریشانی
کے عالم میں اِدھر اُدھر بھاگ رہا تھا۔

" میں علی عمران بول رہا ہوں ۔۔۔ آپ لوگوں کو خوشخبری سنائی جاتی ہے
کہ مجرموں کو گرفتار کر لیا گیا ہے اب آپ بے فکر رہیں۔ مزید تباہی نہیں ہو گی۔ اس وقت
تباہی لانے والی مشین پر میں قابض ہوں اور ایک لمحے بعد یہ مشین توڑ دی جاتے
گی" ۔۔۔ عمران نے کہا اور پھر اس نے دیکھا کہ اس کے الفاظ کا ردِ عمل خوشگوار
ہوا تھا۔ لوگ بھاگتے بھاگتے رک گئے تھے۔ ان کے چہروں پر یکدم خوشیاں پھوٹ
پڑی تھیں۔ وہ اچھل اچھل کر نعرے لگا رہے تھے۔ شائد یہ بھیانک تباہی سے
بچنے کی خوشی تھی یا مجرموں کی گرفتاری کی۔

عمران نے پھرتی سے بٹن آف کر دیا اور پھر دروازے پر رک کر اس نے مشین گن
کی گولیوں کی بوچھاڑ کر دی۔ ڈائل اور بلب تیزی سے ٹوٹنے لگے۔ عمران اندھا دھند
مشین پر گولیاں برساتا رہا۔ مشین تیزی سے ٹوٹنے لگی اور پھر ایک زوردار دھماکہ ہوا
اور مشین کے پرخچے اڑ گئے۔ اس دھماکے کی وجہ سے دروازے پر کھڑا عمران اچھل
کر دور گیلری میں جا گرا۔ اسی لمحے تمام لائٹ بجھ گئی۔ چاروں طرف گہرا اندھیرا چھا گیا
اب اس کے کانوں میں بے تحاشہ گولیاں چلنے کی آوازیں آنے لگیں۔

" اس کا مطلب ہے کہ مقابلہ جاری ہے" ۔۔۔ عمران نے سوچا۔ پھر وہ تیزی
سے گیلری میں بھاگنے لگا۔ وہ اندھیرے میں اندھا دھند بھاگتا جا رہا تھا کہ وہ ایک دیوار
سے ٹکرا کر گر گیا۔ شائد گیلری ختم ہو چکی تھی۔ اسی لمحے جس جگہ وہ گرا تھا وہ جگہ پھٹ
گئی اور وہ سر کے بل نیچے گرتا چلا گیا۔ پھر وہ کسی چیز سے ٹکرا گیا۔ جو یقیناً کسی آدمی
کا جسم تھا۔ اسی لمحے اس پر کسی نے فائر کر دیا۔ وہ پہلو بدل گیا۔ مگر گولی سے نکلنے

والے شعلے میں اس نے دیکھا کہ یہ چھ آدمی تھے جو ایک دیوار سے لگے کھڑے تھے۔
صفدر کا خوف زدہ چہرہ اس کی نظر میں آ گیا۔

" صفدر تم ہو" ۔۔۔ عمران چیخا۔

" عمران صاحب آپ" ۔۔۔ بیک وقت پانچ چھ آوازیں گونجیں اور عمران نے
شکر پڑھا کہ وہ اپنے ساتھیوں میں پہنچ گیا ہے۔ اتنے میں اُسے بلیک زیرو کی آواز
آئی۔ وہ ٹرانسمیٹر پر کہہ رہا تھا۔

" آپریشن نمبر ون ریڈی ۔۔۔ ایکسٹو سپیکنگ ۔۔۔ پہاڑی کے شمالی حصے پر بمباری
کرو۔ جلدی" ۔

" او۔ کے سر" ۔۔۔ دوسری طرف سے آواز آئی۔

اور پھر چند لمحے بعد بے پناہ دھماکے ہونے لگے۔ پھر ایک زوردار دھماکہ ہوا
اور ان کے سامنے جیسے تاریکی کی گہری چادر کسی نے کھینچ لی ہو۔ اب انہیں اپنے سامنے
آسمان نظر آ رہا تھا۔

" ایکسٹو سپیکنگ ۔۔۔ بمباری روک دو ۔۔۔ ہم باہر آ رہے ہیں" ۔۔۔ ایکسٹو نے
غراتے ہوئے کہا۔

" او۔ کے سر" ۔۔۔ جواب ملا۔

" دوڑ کر باہر نکلو" ۔۔۔ ایکسٹو نے کہا اور پھر وہ تمام دوڑتے ہوئے پتھروں سے
ٹھوکریں کھاتے پہاڑی سے باہر کے رخ پر آ گئے۔ اب وہ کھلے میدان میں تھے۔ اور
پھر دوڑتے ہوئے ایکسٹو چلایا۔

" کمانڈر اسلم! ۔۔۔ ایکسٹو سپیکنگ ۔۔۔ تمام پہاڑی کو گھیر لو۔ کسی بھی آدمی کو
فرار مت ہونے دو ۔۔۔ ہم سات آدمی پہاڑی کے شمالی حصے میں ہیں۔ جلد ہمارے پاس
پہنچ جاؤ۔ جلدی" ۔۔۔ ایکسٹو نے حکم دیا۔

"او۔کے سر۔۔۔۔ میں خود شمالی حصے میں ہوں اور میں نے آپ کو دیکھ لیا ہے ۔۔۔۔ میں آپ کے پاس پہنچ رہا ہوں"۔۔۔۔ کمانڈر اسلم نے جواب دیا۔

چند لمحے بعد ایک جیپ تیزی سے دوڑتی ہوئی ان کے قریب آ کر رک گئی۔

"ایکسٹو"۔۔۔۔ جیپ میں سے ایک نے پوچھا۔

"کمانڈر اسلم"۔۔۔۔ ایکسٹو نے جواب دیا۔

"آجایئے"۔۔۔۔ کمانڈر اسلم نے کہا۔

"جیپ میں بیٹھو"۔۔۔۔ ایکسٹو نے حکم دیا اور سب ساتھی اچھل کر جیپ میں بیٹھ گئے۔ خاور اور چوہان شاید زخمی تھے اس لیے انہیں سہارا دے کر جیپ میں بٹھایا گیا اور پھر جیپ دوبارہ بھاگنے لگی۔ اب وہ پہاڑی سے دور جا رہے تھے۔

"گھیرا تنگ کر لیا گیا ہے"۔۔۔۔؟ ایکسٹو نے کمانڈر اسلم سے پوچھا۔

"یس سر"۔۔۔۔ کمانڈر اسلم نے جواب دیا۔

اب وہ پہاڑی سے کافی دور نکل آئے تھے۔

"جیپ روک دو"۔۔۔۔ ایکسٹو نے کہا۔ اور جیپ رک گئی۔

"عمران تم نیچے اتر آؤ"۔۔۔۔ ایکسٹو نے کہا اور خود بھی نیچے اتر آیا۔

"صفدر!۔۔۔ تم باقی ساتھیوں کو لے کر واپس جاؤ۔۔۔۔ کمانڈر اسلم!۔۔۔ یہ جیپ میرے ساتھیوں کے حوالے کر دیں"۔۔۔۔ ایکسٹو نے نیچے اترنے کے بعد کہا اور پھر کمانڈر اسلم اور ڈرائیور نیچے اتر آئے۔

صفدر نے سٹیئرنگ سنبھال لیا اور جیپ تیزی سے دارالحکومت کی طرف جانے والی سڑک کی طرف مڑ گئی۔

ملٹری کے سپاہیوں نے پہاڑی کے گرد گھیرا تنگ کر لیا تھا اور ان کی مجرموں کے ساتھ فائرنگ جاری تھی۔

"کمانڈر اسلم!۔۔۔ ملٹری کو پیچھے ہٹنے کا حکم دو۔۔۔ میں پہاڑی کو تباہ کروانا ہوں"۔۔۔ ایکسٹو نے حکم دیا۔

کمانڈر اسلم نے ٹرانسمیٹر پر ملٹری کو پیچھے ہٹنے کا حکم دیا۔ اور پھر چند منٹ میں ہی پیچھے ہٹ گئی۔

ایکسٹو ایک طرف ہو کر ٹرانسمیٹر پر کال کرنے لگا۔

"آپریشن نمبر ون!۔۔۔ ایکسٹو سپیکنگ۔۔۔ تمام پہاڑی پر بمباری کر دو۔۔۔ تباہ کر دو اس پہاڑی کو"۔۔۔ ایکسٹو چیخا۔

"او۔کے سر"۔۔۔ دوسری طرف سے جواب ملا۔

اور پھر دونوں بمبار طیارے جھپٹ جھپٹ کر پہاڑی پر بم پھینکنے لگے۔ زوردار دھماکے ہوتے اور پہاڑی ریزہ ریزہ ہونی شروع ہو گئی۔ بمبار طیارے اس وقت تک بم پھینکتے رہے جب تک پہاڑی مکمل طور پر تباہ و برباد نہ ہو گئی۔

"عمران صاحب!۔۔۔ مجرم کا کیا بنا"۔۔۔؟ بلیک زیرو نے عمران سے پوچھا۔

"اگر ملٹری کے گھیرے سے فرار نہیں ہوا تو یقیناً بمباری سے ختم ہو گیا ہو گا"۔ عمران نے جواب دیا۔

"اوہ!۔۔۔ تو اس کا مطلب ہے کہ آپ کے ہتھے چڑھ گیا تھا"۔۔۔ بلیک زیرو نے کہا۔

"ہاں!۔۔۔ بڑی مشین میں نے تباہ کی تھی"۔۔۔ عمران نے جواب دیا۔

بمباری ختم ہوتے ہی ملٹری نے پہاڑی کی تلاشی لینی شروع کر دی۔ اور بے شمار لاشیں اور زخمی وہاں سے اٹھائے گئے۔

عمران اور ایکسٹو اس وقت تک وہیں رہے جب تک تمام تلاشی نہ ہو گئی۔ لیکن ان لاشوں اور زخمیوں میں سے کوئی بھی آدمی گنجا نہ تھا۔

"اس کا مطلب ہے کہ مجرم فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا ہے"___ بلیک زیرو بڑبڑایا۔

"ہاں!___ معلوم تو ایسا ہی ہوتا ہے"___ عمران نے جواب دیا اور پھر وہ دونوں ایک جیپ میں بیٹھ کر دانش منزل کی طرف چل پڑے۔

کیپٹن شکیل کو اس بین آپریشن کا اس وقت پتہ چلا جب جولیا نے اس کا حال پوچھنے کے لیے ٹیلیفون کیا تھا۔ اور اُسے اپنے زخمی ہونے کا بیحد افسوس ہوا کہ وہ آپریشن میں حصہ نہ لے سکا۔ پھر اُسے دُور سے زوردار دھماکوں کی آوازیں آنے لگیں وہ اور بھی بے چین ہو گیا۔ پھر اُسے عمران کی آواز بھی سنائی دی جو مجرموں پر قابو پانے کی خوشخبری سنا رہا تھا۔ اب اس سے نہ رہا گیا اور وہ تیزی سے فلیٹ سے نیچے اترا اور پھر موٹر سائیکل اٹھا کر تیزی سے پہاڑی سلسلے کی طرف چل دیا۔ جوش اور شدتِ جذبات سے اب اُسے اپنی تکلیف کا احساس بھی نہ رہا تھا۔

شہر میں رش تو بے حد تھا لیکن کسی نہ کسی طرح کیپٹن شکیل آگے بڑھتا رہا۔ اور پھر جلد ہی وہ شہر سے باہر نکل آیا۔ اب اس کی موٹر سائیکل تیزی سے بھاگ رہی تھی۔ پہاڑی علاقہ اب قریب آتا جا رہا تھا۔

اچانک کیپٹن شکیل کو ایک زخمی آدمی رینگتا ہوا ایک کچی سڑک کی طرف جاتا دکھائی دیا مگر اس نے کوئی خیال نہ کیا۔ اور آگے بڑھتا چلا گیا۔ کچی سڑک کے کنارے ایک چھوٹا سا مکان

تھا اور وہ زخمی آدمی اس مکان کی طرف بڑھ رہا تھا۔

کیپٹن شکیل آگے بڑھتا چلا گیا۔ اور پھر اچانک اُسے ایک خیال آیا۔ اس نے زوردار بریک ماری۔ موٹر سائیکل کے ٹائر چیختے ہوئے رک گئے۔ اُسے خیال آیا تھا کہ وہ زخمی سر سے گنجا ہے اور جس نے اُسے جلایا تھا وہ بھی گنجا تھا اور تقریباً اسی جسامت اور قد وقامت کا تھا۔ چنانچہ اس نے شک مٹانے کی خاطر اس کا تعاقب کرنے کا فیصلہ کیا اور اب وہ زخمی مکان میں داخل ہو چکا تھا۔

کیپٹن شکیل نے موٹر سائیکل کا رخ اس مکان کی طرف موڑ دیا۔ لیکن ابھی آدھا فاصلہ رہتا تھا کہ مکان سے ایک سرخ رنگ کی کار نکلی اور پھر آندھی اور طوفان کی طرح دارالحکومت کی طرف دوڑنے لگی۔ کیپٹن شکیل رک گیا۔ اس وقت وہ ایک درخت کے قریب تھا اس لیے شاید کار والے کی نظر اس پر نہیں پڑی تھی یا شاید وہ جلدی میں تھا۔ بہرحال اب وہ کار کا پیچھا کر رہا تھا۔

کار اب شہر میں داخل ہو چکی تھی اور کیپٹن شکیل کافی فاصلے سے اس کا تعاقب کر رہا تھا۔ کار شہر میں داخل ہو کر ارباب کالونی کی ایک چھوٹی سی کوٹھی کے گیٹ پر رک گئی۔ کیپٹن بھی ایک درخت کے پیچھے رک گیا۔ وہ گنجا آدمی کار سے اترا اور اس نے پھاٹک پر لگا ہوا تالا کھولا اور پھر کار اندر لے جا کر پھاٹک دوبارہ بند کر دیا۔ کیپٹن شکیل نے موٹر سائیکل وہیں چھوڑا اور پھر تیزی سے اس کوٹھی میں داخل ہونے کا فیصلہ کیا۔ کوٹھی کے قریب جا کر وہ رک گیا۔ اسی لمحے اس کے ذہن میں ایک خیال آیا اور پھر وہ تیزی سے واپس مڑ گیا۔ موٹر سائیکل سٹارٹ کی اور سیدھا نکلتا چلا گیا۔ جلد ہی وہ ایک ٹیلی فون بوتھ کے قریب جا کر رک گیا۔ اس نے جیب سے چند سکے نکال کر سوراخ میں ڈالا اور پھر جولیا کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔ جلد ہی رابطہ قائم ہو گیا۔

"جولیا سپیکنگ"___ دوسری طرف سے جولیا کی آواز آئی۔

"میں شکیل بول رہا ہوں جولیا ـــ میں نے ایک گنجے شخص کا پیچھا کیا ہے اور وہ اس وقت ارباب کالونی کی کوٹھی نمبر ۱۰۶ میں موجود ہے ـــ وہ پہاڑی علاقہ سے فرار ہوا تھا۔ میں نے ٹیلیفون کر کے اس کی کوٹھی میں گھسنے کا فیصلہ کیا ہے ـــ آپ اگر مناسب سمجھیں تو ایکسٹو کو بتا دیں" ـــ کیپٹن نے کہا۔

"لیکن تم پہاڑی علاقے کی طرف کس لیے گئے تھے" ـــ ؟ جولیا نے پوچھا۔

"بس طبیعت کے ہاتھوں مجبور ہو کر چلا گیا تھا" ـــ کیپٹن شکیل نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

"لیکن تم تو زخمی ہو۔ اگر وہاں لڑائی ہوئی تو" ـــ ؟ جولیا کے لہجے میں ہمدردی تھی۔

"اب میں اتنا کمزور بھی نہیں ہوں کہ ایک آدمی سے مارا جاؤں" ـــ کیپٹن شکیل نے تلخ لہجے میں جواب دیا اور پھر رسیور رکھ دیا۔

فون بوتھ سے باہر نکل کر کیپٹن شکیل اپنی موٹر سائیکل پر بیٹھ کر تیزی سے اس کوٹھی کی طرف چل دیا۔ موٹر سائیکل اس نے کوٹھی کے قریب روکی اور پھر پیدل چلتا ہوا کوٹھی کی پشت کی طرف بڑھ گیا۔ کوٹھی کی پشت کی دیوار قدرے نیچی تھی اس لیے وہ آسانی سے اس پر چڑھ گیا۔ اور پھر دوسری طرف کود گیا۔ ایک ہلکا سا دھماکہ ہوا۔ کیپٹن شکیل چند لمحے تک دم سادھے وہیں بیٹھا رہا۔ لیکن جب کوئی ردعمل نہ ہوا تو وہ آہستہ سے رینگتا ہوا اصل عمارت کی طرف بڑھ گیا۔ کاریڈور سے ہوتا ہوا وہ ایک کمرے میں گھسا۔ وہاں سے اُسے دوسرے کمرے میں روشنی نظر آئی۔ وہ بڑی احتیاط سے آگے بڑھا۔ اس نے ریوالور جیب سے نکال کر ہاتھ میں لے لیا۔ اسی لمحے لائٹ بند ہو گئی اور پھر ایک شخص بری طرح اس سے ٹکرایا اور کیپٹن شکیل کے ہاتھ سے ریوالور نکل کر دور جا گرا۔ وہ شخص ٹکرا کر دوبارہ اندر جا گرا تھا۔ کیپٹن شکیل نے بھی اندازے کے مطابق وہیں جمپ لگایا لیکن وہ فرش سے جا ٹکرایا اور پھر اس سے پہلے کہ وہ اٹھتا۔ بوٹ کی زوردار

ٹھوکر اس کے جبڑے پر پڑی مگر کیپٹن شکیل نے حملہ آور کی ٹانگ پکڑ کر مروڑ دی اور حملہ آور چکراتا ہوا نیچے جا گرا۔ اب کیپٹن شکیل اس کے اوپر تھا مگر جلد ہی حملہ آور نے اُسے دوسری طرف اچھال دیا۔ حملہ آور کے جسم میں بے پناہ قوت تھی۔ ادھر کیپٹن شکیل قدرے زخمی بھی تھا۔ اس لیے وہ کمزوری محسوس کر رہا تھا۔ دوسری طرف گرتے ہی وہ اچھل کر کھڑا ہوا مگر اس کے سینے پر زوردار فلائنگ کک پڑی اور وہ لڑکھڑاتا ہوا دیوار سے جا ٹکرایا۔ مگر دوسرے لمحے اس نے جمپ لیا اور حملہ آور کے اوپر جا پڑا۔ اس نے اُسے بے تحاشہ مکے مارنے شروع کیے مگر حملہ آور کا ایک مکہ اس کی کنپٹی پر اتنے زور کا پڑا کہ اس کی آنکھوں کے آگے ستارے ناچ گئے۔ اور وہ ہوا میں ہاتھ چلاتا ہوا نیچے گر گیا۔

حملہ آور نے ہاتھ جھاڑے ہی تھے کہ کمرہ کھٹ کی آواز سے روشن ہو گیا۔ عمران صفدر اور تنویر وہاں موجود تھے۔ حملہ آور چونک کر مڑا۔ لیکن عمران کے ہاتھ میں ریوالور دیکھ کر رک گیا۔

اب اس کے منہ سے نقاب اترا ہوا تھا اور اس کا گنجا سر روشنی میں چمک رہا تھا۔ کمرے کے ایک کونے میں ایک سیاہ بیگ پڑا ہوا تھا۔

"ڈاکٹر پچکاک ـــ اب تم بچ کر نہیں جا سکتے" ـــ عمران کی آنکھیں سرخ تھیں۔ اپنا نام سنکر وہ چونک پڑا۔ پھر اس کے چہرہ کے نقوش بگڑ گئے۔ اسی لمحے اس نے ریوالور کی پرواہ نہ کرتے ہوئے عمران پر چھلانگ لگا دی۔ عمران نے ریوالور ایک طرف پھینک کر اس کے حملے کو ہاتھوں پر ـــ روکا اور اُسے دوسری طرف اچھال دیا۔

"ڈاکٹر! ـــ میں تمہیں ایسی عبرت ناک سزا دوں گا جو تمہارے تصور میں بھی نہیں آئی ہو گی" ـــ عمران بھیڑیئے کی طرح غرایا اور پھر اٹھتے ہوئے ڈاکٹر پچکاک پر

چھلانگ لگادی۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے ٹکرائے اور نیچے گر پڑے۔

اب عمران گنجے کے اوپر تھا۔ دوسرے لمحے گنجے نے نیچے سے گھٹنا چلایا اور عمران اڑتا ہوا ایک طرف جا گرا۔ پھر دونوں نے اٹھنے میں پھرتی دکھائی اور اب وہ دونوں ایک دوسرے کے مدمقابل تھے۔

اچانک عمران نے جھکائی دی اور گنجا جھانسے میں آگیا۔ وہ اس طرف مڑا جدھر عمران جھکا تھا کہ عمران برق کی سی تیزی سے دوسری طرف مڑا اور پھر اس نے گنجے کو دونوں ہاتھوں سے اوپر اٹھا لیا۔ عمران کا چہرہ غصے اور وحشت سے سرخ ہو رہا تھا۔ اس نے گنجے کو اٹھا کر زور سے فرش پر پٹخ دیا۔ گنجے کے منہ سے کراہ نکل گئی۔ عمران پر جنون سوار ہو گیا۔ اور اس نے گنجے پر ٹھوکروں کی بارش کر دی۔ وہ اس تیزی سے ٹھوکریں رسا رہا تھا کہ گنجے کو اپنی جگہ سے ہلنے کی بھی مہلت نہ ملی۔ گنجے کا چہرہ لہولہان ہو گیا۔ اور پھر عمران اس کے سینے پر چڑھ گیا۔

اچانک عمران نے اپنی ایک انگلی بڑھائی اور پھر گنجے کی بھیانک چیخ سے کمرہ گونج اٹھا۔ کیپٹن شکیل کو بھی ہوش آگیا تھا اور وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ عمران نے گنجے کی آنکھ میں انگلی گھسیڑ دی تھی۔ گنجے کی آنکھ کا ڈھیلا باہر نکل آیا تھا اب اس کی آنکھ خون سے بھرا ہوا گڑھا معلوم ہو رہی تھی۔

"مجھے مار دو عمران ۔۔۔ مجھے مار دو" ۔۔۔ گنجا بے اختیار چیخا۔

"نہیں ۔۔۔ میں تمہیں موت سے بھی زیادہ بھیانک سزا دوں گا ڈاکٹر بچکاک ۔۔۔ ایسی سزا دوں گا کہ پھر کوئی مجرم میرے ملک میں تباہی لانے کا تصور بھی نہ کر سکے" ۔۔۔ عمران وحشت سے بھرپور لہجے میں بولا۔

کیپٹن شکیل، صفدر اور تنویر کو گنجے کی آنکھ نکلتی دیکھ کر جھرجھری آگئی۔

عمران نے گنجے کا بازو ایک جھٹکے سے توڑ دیا۔ کڑک کی آواز کے ساتھ ہی گنجے کے

منہ سے بے اختیار چیخیں نکلنے لگیں۔ پھر عمران نے دوسرا بازو بھی چانک صفدر نے ہو چکا تھا۔ عمران مکے مار مار کر اُسے دوبارہ ہوش میں لے آیا۔

"تم ۔۔۔ مجھے معاف کر دو عمران ۔۔۔ مجھے معاف کر دو" ۔۔۔ گنجا گھگھیایا۔ کی

"میں انسانیت کے مجرم کو معاف نہیں کر سکتا" ۔۔۔ عمران نے کہا اور پھر ایک جھٹکے سے گنجے کی ایک ٹانگ بھی توڑ دی۔ یہی حشر اس کی دوسری ٹانگ کا بھی ہوا۔ اب گنجا بے دست و پا ہو چکا تھا۔ اور اس کی بھیانک چیخوں سے کمرہ گونجنے لگا۔ عمران درندہ بنا ہوا تھا۔ اور اس کے ساتھیوں نے آج تک عمران کو اتنی وحشت میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔

عمران نے گنجے کی دوسری آنکھ بھی نکال دی۔

"مجھے مار دے ظالم ۔۔۔ مجھے مار دے" ۔۔۔ گنجا گڑگڑایا۔

"مار دے ۔۔۔ ہونہہ ۔۔۔ موت تو تمہارے لیے کوئی سزا نہیں ۔۔۔ تم زندہ رہو گے لیکن تمہاری حالت مُردے سے بھی بدتر ہو گی" ۔۔۔ عمران غرایا اور پھر اس نے اپنی جیب سے خنجر نکال کر گنجے کے جسم پر وار کرنے شروع کر دیئے۔ گنجے کی چیخیں نکلتی رہیں حتیٰ کہ وہ بیہوش ہو گیا۔

عمران اب اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کا چہرہ اتنا خوفناک ہو گیا تھا کہ صفدر، تنویر اور کیپٹن شکیل نے خوف سے آنکھیں بند کر لیں۔ مجرم کے لیے اتنی بھیانک سزا ان کے تصور میں بھی نہیں تھی۔

"صفدر ۔۔۔ وہ بیگ اٹھاؤ" ۔۔۔ عمران نے صفدر سے کہا۔ اور صفدر نے لپک کر وہ بیگ اٹھایا اور عمران کو پکڑا دیا۔

عمران نے بیگ کھول کر دیکھا۔ اس میں اہم دستاویزات تھیں۔ عمران نے سر ہلایا اور پھر اس نے تنویر سے مخاطب ہو کر کہا۔

سا لنجے کو اٹھاکر باہر لان میں لے چلو"

چھلانگ لگادی۔ وہ خاموشی سے گنجے کو اٹھایا اور پھر اُسے باہر لان میں لے آیا۔ وہ

اب تک بیہوش تھا۔

"اس کے زخموں پر مٹی ڈال دو" ——— عمران نے حکم دیا اور تنویر نے لان کے کناروں سے مٹی اٹھا اٹھاکر گنجے کے ان گنت زخموں پر ڈالنی شروع کر دی۔ مٹی سے خون رک گیا۔

"اسے اٹھاکر گاڑی میں ڈالو" ——— عمران نے حکم دیا۔

تنویر نے بیہوش گنجے کو اٹھاکر گاڑی میں ڈالا اور پھر وہ سب اس میں بیٹھکر کوٹھی سے باہر نکل آئے۔ ایک چوک کے پاس پہنچ کر عمران نے گاڑی روکی۔

"تنویر ـــ اس گنجے کو اٹھاکر فٹ پاتھ پر ڈال دو" ——— عمران کے لہجے میں ابھی تک وحشت نمایاں تھی۔

تنویر جو عمران کے حکم کو ماننا اپنی توہین سمجھتا تھا۔ کان دباکر اس کے احکام کی تعمیل کر رہا تھا۔ اس نے گنجے کو کار سے نکالا اور پھر فٹ پاتھ پر ڈال دیا۔ تنویر واپس کار میں آبیٹھا اور کار تیزی سے دوڑتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔

دانش منزل کے میٹنگ۔ ہال میں سب ممبرز موجود تھے۔ عمران بھی ایک طرف سر جھکائے بیٹھا تھا۔

"عمران صاحب! ـــ اب سلیمان کا کیا حال ہے" ـــ؟ اچانک صفدر نے عمران سے پوچھا۔

"ٹھیک ہے ـــ مگر اب قدرے شریف ہوگیا ہے ـــ خاص طور پر فیاض کی تو بڑی عزت کرتا ہے" ـــ عمران نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"کیوں نہ کرے ـــ اب تو دونوں کا ایک ہی خون ہوگیا ہے" ـــ صفدر نے ہنستے ہوئے کہا۔

"یہی بات میں نے فیاض سے کہی تو وہ لڑنے مرنے کے لیے تیار ہوگیا" ـــ عمران نے آنکھیں مچکاتے ہوئے کہا۔

"کیوں ـــ؟ اس میں لڑائی والی کون سی بات ہے" ـــ؟ صفدر نے حیرت سے پوچھا۔

"بس یہی کہ تم مجھے باورچی بنا رہے ہو" ـــ عمران نے جواب دیا۔

اور پھر سب لوگ متوجہ ہوگئے۔ کیونکہ ٹرانسمیٹر کا بلب سپارک کرنا شروع ہوگیا تھا۔ جولیا نے اٹھ کر رسیور کا بٹن دبا دیا۔

"ہیلو ممبرز ـــ کیا سب لوگ آگئے ہیں" ـــ؟ ایکسٹو کی آواز سنائی دی۔

"جی ہاں جناب" ـــ جولیا نے جواب دیا۔

"اوکے ـــ اب آپ لوگ چونکہ کیس کی تفصیلات سننے کے لیے بے چین ہوں گے۔ اس لئے میں مختصر طور پر آپ کو اس کے متعلق بتاتا ہوں" ـــ ایکسٹو نے کہا اور پھر کیس کی تفصیل بتانے لگا۔

"ایک عیار بدنام زمانہ ادارہ بی، آئی، اے نے ہمارے ملک میں انتشار، بدنظمی، مالی بحران اور انقلاب لانے کا منصوبہ تیار کیا کیونکہ ہماری موجودہ حکومت نے ان کی مرضی پر چلنے سے انکار کر دیا ہے اس لیے انہوں نے ڈاکٹر بمپکاک کو یہاں بھیجا۔

ڈاکٹر بیچکاک ایک مشہور جاسوس ہے جس نے کئی ملکوں میں بڑی کامیابی سے انقلاب لانے کا مشن پورا کیا تھا۔ وہ قدرتی طور سے بالکل گنجا تھا اس لیے اُسے گنجے ڈاکٹر کے نام سے بھی پکارا جاتا تھا۔ عمران کے متعلق چونکہ بی، آئی، اے والے جانتے تھے کہ عمران ضرور اس منصوبے کے آڑے آئے گا اس لیے انہوں نے ڈاکٹر بیچکاک کو عمران کے متعلق بتا دیا۔

ڈاکٹر بیچکاک نے ہمارے ملک میں آتے ہی سب سے پہلے سر رحمان کو زہر ملا دودھ پلا کر ان پر مصنوعی موت طاری کر دی۔ یہ موت گو مصنوعی تھی لیکن یہاں کے ڈاکٹروں کے لیے اتنی مکمل تھی کہ وہ سر رحمان کی موت پر شک بھی نہ کر سکے اور سر رحمان کو دفن کر دیا گیا۔ ڈاکٹر بیچکاک نے انہیں قبر سے نکال کر وہ مصنوعی موت دور کر دی اور وہ زندہ ہو گئے۔ اس میں اس کے دو مقصد پنہاں تھے۔ سب سے پہلے تو یہ کہ وہ سر رحمان کو عمران کے مقابلے میں بطور یرغمال رکھنا چاہتا تھا۔ دوسرا اس نے ان کی جلد میں اپنا ایجاد کردہ ڈکٹا فون مائیک چھپا دیا تاکہ اگر کسی طرح سر رحمان رہا ہو جائیں تو ان کے ذریعے وہ حکومت کی تمام سرگرمیوں سے واقف رہیں۔

عمران یا ہمیں سر رحمان کی موت پر قطعی کوئی شبہ نہیں ہوا کیونکہ ان دنوں کوئی کیس بھی نہیں تھا کہ ہم اس پہلو پر سوچتے۔ بہرحال ایک دن عمران ایک ہوٹل میں جانے لگا تو اُسے ایک بھکاری نظر آیا۔ عمران پہلی ہی نظر میں بھانپ گیا کہ یہ شخص میک اَپ میں ہے اور پھر عمران اُسے زبردستی ہوٹل میں لے گیا۔ جب وہاں عمران کی حرکتوں سے اس کا راز کھلنے لگا تو اسے گولی مار دی گئی۔ جب اس کا میک اَپ ہٹایا گیا تو وہ شخص غیر ملکی نکلا۔ عمران نے مجھے رپورٹ دی اور میں کھٹک گیا۔ پھر میں نے تمام ممبروں کی ڈیوٹی لگا دی کہ وہ شہر کا راؤنڈ لگائیں اور کسی بھی مشتبہ بھکاری کو دیکھیں تو اُسے اغوا کر کے لے آئیں۔ عمران خود بھی ایک بھکاری کے روپ میں شہر میں پھرنے

لگا۔ اس کا نظریہ یہ تھا کہ بھکاری کے روپ میں وہ بھکاریوں کو زیادہ قریب سے دیکھ سکتا تھا۔ پھر جولیا اغوا ہو گئی اور اُسے اغوا کرنے والا ایک گنجا بھکاری تھا جو دراصل خود ڈاکٹر بیچکاک تھا جو تنجانے کیوں بھکاری کے روپ میں تھا۔ پھر کیپٹن شکیل کو بھی اغوا کر لیا گیا۔ اور جس کار میں اسے اغوا کر کے لے جایا جا رہا تھا اس کار پر عمران کی نظر پڑ گئی۔ عمران نے اس کا تعاقب کیا اور پھر وہ دارالحکومت کے ——— ایک کچے مکان میں جا پہنچا جہاں اس کی ملاقات خلاف توقع سر رحمان سے ہو گئی۔ سر رحمان کو زندہ دیکھ کر عمران حیرت زدہ رہ گیا۔ اس کی خوشی کی کوئی حد نہ رہی اور اسی خوشی میں اس نے اپنے آپ کو ظاہر کر دیا۔ ادھر مجرم سر رحمان کی جلد میں وہ مائیک چھپا چکے تھے چنانچہ اس مائیک کی وجہ سے انہیں پتہ چل گیا کہ بھکاری کے روپ میں یہ عمران ہے۔ وہ اسے قتل کرنے کے لیے وہاں آ پہنچے ایک جھڑپ ہوئی اور گنجا بھاگ گیا۔ اس نے ٹائم بم سے مکان اڑا دیا۔ اس کا خیال تھا کہ یہ سب لوگ ملبہ میں دفن ہو جائیں گے لیکن سر رحمان، عمران، جولیا اور کیپٹن شکیل بچ نکلے۔

پھر ڈاکٹر بیچکاک نے رقم بانٹ کر بھکاریوں کا ایک جلوس مین بازار میں نکلوایا اور مین بازار میں لوٹ مار کروا کر آگ لگوا دی تاکہ حکومت بوکھلا جائے۔ صفدر وہاں موجود تھا۔ اس نے پیچھا کیا اور پھر وہ نادانستگی میں ان کے اڈے میں جا پہنچا۔ اس جلوس کی کمان خود ڈاکٹر کر رہا تھا۔ اس کو صفدر پر شک گزرا اور اس نے اپنی طرف سے صفدر کو قتل کر کے اس کی لاش گٹر میں پھنکوا دی۔ صفدر کا مقدر اچھا تھا کہ وہ بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔

پھر ڈاکٹر بیچکاک نے بنکوں کی دیواروں کو جدید انداز سے نقب لگوا کر جعلی نوٹ وہاں رکھوا دیئے اور اس طرح ملک شدید مالی بحران کی لپیٹ میں آگیا۔ لوگ حکومت کے سخت خلاف ہو گئے۔ ڈاکٹر نے غدار سیاسی پارٹیوں کو رقم دے کر اپنے

ساتھ ملا لیا اور یہ سیاسی پارٹیاں حکومت کے خلاف پروپیگنڈا کرنے لگیں۔ کیپٹن شکیل کو اس اڈے میں تحقیقات کے لیے بھیجا گیا تو یہ بھی ان کے ہتھے چڑھ گیا اور اسے زندہ جلانے کی سزا دی گئی لیکن پھر شاید ڈاکٹر نے جان بوجھ کر اُسے زندہ رہنے دیا لیکن اس کی جلد میں بھی مائیک چھپا دیا گیا۔

عمران نے ہوٹل ٹھنڈی سٹار جہاں پہلی دفعہ وہ بھکاری کو لے گیا تھا اس کے مینجر کو اغوا کیا اور پھر اس پر دانش منزل میں تشدد کیا گیا تو اس نے سب کچھ اگل دیا اس میں ایک اشارہ یہ بھی تھا کہ سر رحمان کے پاس ایک مائیک ہے لیکن یہ معلوم نہیں کہ وہ کہاں ہے۔ صدر مملکت کی میٹنگ میں عمران نے وہ مائیک نکلوا لیا۔ پھر عمران کے فلیٹ پر مجرموں نے حملہ کیا اور سلیمان کو گولی مار دی۔ سلیمان مرتے مرتے بچا۔

پھر مجرموں نے دارالحکومت کی تباہی کا الٹی میٹم دے دیا۔ یہ آخری زوردار چوٹ تھی تاکہ عوام حکومت کا تختہ الٹ دیں۔ اس کے لیے مجرم نے تین دن کا وقفہ دیا۔ بعد میں پتہ چلا کہ اس کی مشین ورکنگ آرڈر میں نہیں تھی اور اُسے ٹھیک کرنے کے لیے تین دن درکار تھے۔

بہرحال اب مجرموں کی فوری گرفتاری ضروری ہو گئی۔ پھر جب کیپٹن شکیل کا فون آیا تو میں نے عمران کو وہاں بھیج دیا۔ مجرموں نے مائیک پر عمران اور کیپٹن شکیل کی باتیں سنیں اور پھر عمران کو اغوا کر لیا گیا۔ ہمارا منصوبہ بھی یہی تھا کہ کسی طرح عمران اغوا ہو کر مجرموں کے اڈے تک پہنچ جائے اور ہمیں ان کے اصل اڈے کا پتہ چل سکے۔ یہ سب کچھ اس اندازے پر کیا گیا تھا کہ شاید کیپٹن شکیل کی جلد میں بھی مائیک نکل آئے۔ اور پھر وہی ہوا۔ مائیک اس کی جلد میں موجود تھا جسے عمران نے نکال لیا اور اس سے پہلے عمران نے خوامخواہ کیپٹن شکیل سے بحث چھیڑ دی تاکہ مجرم اُسے اغوا کرنے کے لیے وہاں پہنچ جائیں۔ وہی ہوا اور مجرم اسے اغوا کر کے لے گئے۔ صفدر کو میں نے نگرانی کے لیے بھیجا۔

صفدر نے ان کا تعاقب کیا اور وہ پہاڑی تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا جو مجرموں کا اصل اڈہ تھا۔ صفدر نے مجھے ٹرانسمیٹر پر کال کیا اور پوزیشن بتلائی۔ میں نے باقی ممبروں کو بھی وہیں صفدر کی مدد کے لیے بھیج دیا۔ کیپٹن شکیل چونکہ زخمی تھا اس لیے وہ اس آپریشن میں شریک نہ کیا گیا۔

ٹیلی ویژن نظام کے تحت پہاڑی کے باہر کا حصہ ہر وقت مجرموں کی نظر میں رہتا تھا اس لیے صفدر کو بھی گرفتار کر لیا گیا اور پھر باقی ممبروں کو بھی گرفتار کر لیا گیا۔

میں نے ایک یونٹ فوج کو حکم دیا کہ وہ پہاڑی کو گھیر لے۔ ساتھ ہی متوقع خطرے کے تحت میں نے دو بمبار طیارے اور دو فائٹر بھی منگوا لیے۔ اور پھر میں خود پہاڑی میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ وہاں عمران کو مجرم اپنے خاص کمرے میں لے گیا جہاں وہ مشین موجود تھی۔ ہر مجرم کی طرح ڈاکٹر بچکاک بھی احساس برتری کا مریض تھا چنانچہ وہ عمران پر اپنی طاقت کا رعب ڈالنا چاہتا تھا۔ صفدر اور اس کے ساتھ دوسرے ممبر جو ایک کمرے میں بند تھے وہاں سے نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ پھر میں بھی ان سے مل گیا۔ ہم نے وہاں ان کا پاور پلانٹ تباہ کر دیا جس سے تمام اڈے میں اندھیرا چھا گیا اور مجرم اندھیرے کی وجہ سے ایک دوسرے سے لڑنے لگے۔

ادھر عمران جو کہ چار مشین گنوں کی وجہ سے مجبور تھا اس کے سامنے ڈاکٹر بچکاک نے اس مشین کے ذریعے دارالحکومت کا شمالی حصہ تباہ و برباد کر دیا۔ عمران نے یہ تباہی دیکھ کر موت کی پرواہ نہ کی اور ڈاکٹر پر پل پڑا۔ ڈاکٹر فرار ہو گیا۔

عمران نے وہ مشین تباہ کر دی۔ پھر وہ ایک اتفاق کی وجہ سے ہم سے مل گیا۔ پھر ہم نے بمباری کرا کر پہاڑی کا ایک حصہ تباہ کرایا اور باہر نکل آئے۔ اور پھر پہاڑی کو بمبارمنٹ کے ذریعے مکمل طور پر تباہ کر دیا گیا۔

اِدھر کیپٹن شکیل نے جسے زخمی ہونے کی وجہ سے میں نے اس آپریشن میں شامل نہیں کیا تھا اُسے جب جولیا سے پتہ چلا تو وہ اپنی طبیعت کے ہاتھوں مجبور ہو کر پہاڑی علاقے کی طرف چل پڑا۔

اُدھر مجرم ایک سرنگ کے ذریعے فرار ہو کر پہاڑی سے کافی دور نکلا اور ایک مکان میں جو اس کا اپنا اڈہ تھا۔ کار لینے کے لیے گھسا۔ کیپٹن شکیل کی اس پر نظر پڑ گئی اور اس نے اس کا تعاقب کیا اور اسی طرح وہ اس کوٹھی تک پہنچ گیا جہاں مجرم نے پناہ لی تھی۔

کیپٹن شکیل نے جولیا کو اس کی اطلاع دی اور خود اندر گھس گیا۔ میں نے اطلاع ملتے ہی عمران، صفدر اور تنویر کو مجرم کی گرفتاری کے لیے بھیج دیا۔ وہاں مجرم اور کیپٹن شکیل کی لڑائی ہوئی۔ کیپٹن شکیل زخمی ہونے کی وجہ سے صحیح طریقے سے نہ لڑ سکا اور مجرم نے اُسے بیہوش کر دیا۔ اسی وقت عمران، صفدر اور تنویر وہاں پہنچ گئے۔ عمران کو مجرم یعنی ڈاکٹر بچکاک پر بے حد غصہ تھا کیونکہ اس نے اس کے سامنے دس میل کے علاقے کو برباد کیا تھا۔

اور پھر سب سے زیادہ غصہ اس بات کا تھا کہ اس کیس میں ڈاکٹر کے ہاتھوں تین ممبرز مرتے مرتے بچے تھے۔ یعنی کیپٹن شکیل، صفدر اور سلیمان۔ اس لیے عمران ڈاکٹر کو عبرتناک سزا دینا چاہتا تھا چنانچہ عمران نے مجرم کو عبرت ناک سزا دی۔ اس کی آنکھیں نکال دیں۔ ہاتھ پیر توڑ دیئے اور اُسے اندھا اور اپاہج کر کے پھینکوا دیا۔

مجرم کے بیگ سے تمام دستاویزات مل گئیں جو میں نے حکومت کے حوالے کر دیں اور حکومت ان پر مناسب کارروائی کر رہی ہے"۔۔۔۔ ایکسٹو تمام تفصیلات بتلا کر خاموش ہو گیا۔

سب لوگ سحرزدہ بیٹھے رہے۔

"کوئی سوال"۔۔۔۔؟ ایکسٹو نے پوچھا۔

"سر! ۔۔۔ ڈاکٹر بچکاک نے بھکاری کا بھیس کیوں بدلا تھا"۔۔۔؟ صفدر نے سوال کیا۔

"اس لیے کہ وہ بھکاریوں کا جلوس نکلوا کر لُوٹ مار کروانا چاہتا تھا۔۔۔ دوسرا اس کا خیال تھا کہ بھکاری بننے سے اس پر کوئی شک نہیں کرے گا کہ یہ بھکاری مجرم ہے یا جاسوس ہے"۔۔۔ ایکسٹو نے جواب دیا۔

سب ممبرز خاموش بیٹھے رہے۔

"دیکھیے! اس کیس پر آپ سب حضرات نے چونکہ بے حد محنت سے کام کیا ہے اس لیے میں آپ سب کو اجازت دیتا ہوں کہ آپ پندرہ دن کے لیے پکنک پر کسی اچھے مقام پر تفریح کر آئیں"۔۔۔ ایکسٹو نے کہا اور سب ممبروں کے چہروں پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

"تھینک یو سر"۔۔۔ سب نے بیک وقت جواب دیا۔

"او۔کے اوور اینڈ آل"۔۔۔ ایکسٹو نے کہا اور پھر ٹرانسمیٹر خاموش ہو گیا۔ اور جولیا نے اٹھ کر سوئچ بند کر دیا۔

اب ممبروں نے پکنک منانے کے لیے اپنی اپنی تجاویز پیش کرنا شروع کر دیں۔

"میرے خیال میں سب لوگ پہلے عمران کے فلیٹ پر چلیں اور وہیں بیٹھ کر اس کے متعلق فیصلہ کیا جائے گا"۔۔۔ صفدر نے کہا اور سب نے اس کی تجویز کی تائید کی۔

"یہ میں بتا دوں کہ سلیمان آپ کو چائے پلانے سے انکار کر دے گا۔۔۔ مجھے امید ہے کہ آپ نے صرف چائے پینے کے لیے میرا فلیٹ منتخب کیا ہے"۔۔۔ عمران نے کہا اور سب ہنسنے لگے۔ اور پھر سب لوگ کار میں بیٹھ کر عمران کے فلیٹ کی طرف چل دیئے۔
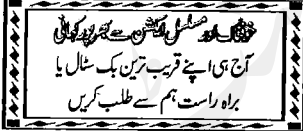
راستے میں جب وہ لارنس چوک کے پاس سے گزرے تو عمران نے اچانک کار کو ایک فٹ پاتھ کے قریب روک دیا۔

"کیا ہوگیا"۔۔۔؟ صفدر نے پوچھا۔

"باہر آؤ۔۔۔ میں تمہیں گنجے بھکاری سے ملواؤں"۔۔۔ عمران نیچے اترتے ہوئے بولا اور وہ سب نیچے اتر آئے۔

اور پھر یہ دیکھ کر انہیں عمران کے انتقام کے بھیانک پن کا صحیح احساس ہوا۔ سامنے فٹ پاتھ پر ڈاکٹر بھکاک پڑا ہوا تھا۔ اس کے چہرے پر آنکھوں کی بجائے گڑھے تھے۔ جسم پر موجود زخموں میں پیپ پڑ چکی تھی اور مکھیاں بھنبھنا رہی تھیں۔ اس کے چہرے پر بے حد تکلیف کے آثار تھے لیکن وہ اس حد تک مفلوج ہو چکا تھا کہ اپنے زخموں پر بھنبھنانے والی مکھیوں کو بھی اڑانے سے قاصر تھا۔ لوگ اس کی حالت پر ترس کھا کر اس کے قریب پیسے ڈالتے جا رہے تھے۔

عمران نے بھی جیب میں ہاتھ ڈالا اور پھر ایک سکہ نکال کر اس کے قریب پھینکا اور کار کی طرف مڑ گیا۔ اور سب ممبرز گنجے بھکاری کی حالت پر افسوس کرتے ہوئے واپس کار میں بیٹھ گئے۔

"عمران صاحب! آپ نے اس پر بے حد ظلم کیا ہے"۔۔۔ صفدر نے ہمدردی سے کہا

"انسانیت سوز مجرموں کا یہی انجام ہوتا ہے"۔۔۔ عمران نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا اور کار تیزی سے عمران کے فلیٹ کی طرف دوڑتی چلی گئی۔

ختم شد